کتاب و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:19 Issue:2 February 2026

مدیر
مولانا محمد عبدالقوی

اِدارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	رمضان المبارک کے چھ روحانی مقاصد	مولانا شیخ عبد القادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	شعبان رمضان کی عظمت جاننے کا مہینہ ہے	مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۷
پیش گفتار	اجلاسِ ختم بخاری پر خصوصی خطاب	مدیر	۹
گوشۂ سیرت	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحویل قبلہ کا حکم	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۲۰
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی محمد رفیع حنیف قاسمی	۲۱
اصلاحی مضامین	شبِ براءت ۔۔۔۔۔ تحقیقی جائزہ	حضرت مولانا یوسف لدھانوی رحمہ اللہ	۲۴
گوشۂ رمضان	دستِ طلب بڑھاؤ کہ رمضان آ گیا	مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی	۳۷
"	ماہِ رمضان ماہِ قرآن	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۴۱
افاداتِ اکابر	اشرف المجالس: حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ	پیشکش: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۴۴
"	ارشاد السالکین: حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ	ترتیب: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۴۶
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۹



درسِ قرآن

رمضان المبارک کے چھ روحانی مقاصد

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔

تشریح: رمضان المبارک کی آمد آمد ہے یہ خدائی تربیت کا روحانی مہینہ ہے، اس ماہ کی امتیازی عبادتوں یعنی دن کے روزوں اور رات کے قیام سے بندۂ مؤمن کی تربیت کی جاتی ہے، رمضان المبارک سے متعلق جو آیات قرآن مجید میں آئی ہیں اور اس کے فضائل جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں اس کو بغور پڑھنے اور سمجھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رمضان المبارک کی جملہ عبادتوں سے شریعت کے چھ مقاصد ہیں، یہی روحانی تربیت اور اس کے مفید اثرات ہیں۔

پہلا مقصد:- حصول تقویٰ واجتناب معاصی

اللہ تعالیٰ نے فرضیت صوم کی علت بیان فرمائی لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ”تاکہ تم متقی ہوجاؤ“ تقویٰ کی تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو شہوات اور فسق وفجور سے محفوظ رکھے، یہاں تک کہ ظاہری اعضاء بھی فسق وفجور سے اجتناب کرنے والے بن جائیں، نہ کان سے کوئی گناہ نہ آنکھ سے معصیت نہ زبان سے خطاء غرض یہ کہ ”ذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ“ (ظاہری وباطنی گناہوں کو چھوڑو) پر حتی المقدور عمل کرنے کا مزاج بن جائے۔

دوسرا مقصد:- نزول قرآن اور توفیق عبادات پر عملی تشکر

رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے، اس امت کے لیے نزولِ قرآن اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر، حیدرآباد

سے ہے،خود صاحبِ قرآن نے بھی اس پر اظہار خوشی کا حکم دیا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اس کی ہمیشہ تلاوت اوراس کے تقاضے پرعمل ہی اس کا عملی تشکر ہے،رمضان میں تلاوتِ قرآن کے اہتمام سے یومیہ تلاوت کی عادت پڑ جانا ہی رمضان کا دوسرا مقصد ہے،تاکہ جس قدر ممکن ہو تلاوت کا عمر بھر معمول بن جائے،اس سے ذہن کو جلا،قلب کو راحت اور زندگی میں نورانیت حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا مقصد:۔نفس کا تزکیہ

اس ماہ مبارک کے نورانی ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک کر کے اخلاقِ حسنہ سے مزین کرنے کی کوشش ہونا چاہیے یہ کام اس ماہ مبارک میں جس قدر آسان ہے اتنا کسی اور ماہ میں نہیں ہے،اس مبارک مہینے میں اپنے نفس کے مکائد پر نظر،غلط شہوات پر صبر اوراس کے ترک کے لیے عزم مصمم کی عادت بنالینا چاہیے،اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہر دم اللہ کی نظر میں ہونے کا احساس اور اخروی مؤاخذہ کا استحضار رہے،اگر ارادے مظبوط اور نیت میں خلوص ہو تو انشاءاللہ غیر رمضان میں بھی یہ اثر باقی رہے گا۔

چوتھا مقصد:۔تقرب الی اللہ کا حصول

رمضان المبارک کے فضائل کے پیش نظر اضافہ طاعات،تلاوت قرآن،ذکر الٰہی،دعا،قیام اللیل کے اہتمام سے قرب الٰہی حاصل کرنے کی جدوجہد اور اپنے اندروں میں نیک کاموں کا بھرپور جذبہ پیدا کرنا چاہیے

پانچواں مقصد:۔بخشش اور خلاصی جہنم ہے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی:من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه جو شخص رمضان کے روزے سلامتی ایمان اور امید ثواب کے ساتھ رکھے اللہ پاک اس کے تمام گناھوں کو معاف فرما دیتا ہے اور رمضان المبارک کی ہر شب میں اپنے فضل خاص سے قدرداں بندوں کو جہنم سے خلاصی کا پروانہ عطاء کرتے ہیں لہذا اس کے لیے توبہ واستغفار کی کثرت کی عادت بنانا چاہیے۔

چھٹا مقصد:۔محتاجوں سے غم خواری و ہمدردی کا احساس و جذبہ پیدا ہو

صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے تاکہ بے کسوں اور بے بسوں کی کسمپرسی،فاقہ کشی کا احساس پیدا ہو جائے پھر ان کی دستگیری کے لیے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

رمضان المبارک کے یہ چھے روحانی مقاصد ہیں،کوشش ہونی چاہیے کہ اس ایک ماہ کے اندر ان چھے مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل ہو اور عمر بھر ہم ان اوصاف سے متصف رہ پائیں۔

اللهم اجعلنا من عُتقائك، و تُبْ علينا؛ إنك أنت التواب الرحيم، آمین۔



درسِ حدیث

شعبان رمضان کی عظمت جاننے کا مہینہ ہے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَيُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ فَقَالَ شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ قِيلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ (ترمذی:663)۔

ترجمہ:۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شعبان کے روزے جو رمضان کی تعظیم کے لیے ہوں، پوچھا گیا، کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: رمضان شریف میں صدقہ کرنا۔

تشریح: اسلامی تقویم کے اعتبار سے شعبان کا مہینہ وہ آٹھواں اور عظمت والا مہینہ ہے؛ جو رجب اور رمضان کے درمیان واقع ہے، رجب کا مہینہ حرمت وعظمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے، منہا اربعۃ حرم، اور رمضان کے مہینہ کا تقدس واحترام ایسی یقینی چیز ہے جس سے ہر فردِ مسلم نہ صرف واقف؛ بلکہ قلوب اس کے احترام واکرام سے سرشار اور اس کے برکات وثمرات کے حصول یابی کے تئیں سراپا شوق رہتے ہیں، ایسے دو محترم ومقدس اور فضائل ومحاسن سے معمور مہینوں کے درمیان شعبان کا مہینہ بھی فضائل وبرکات کا نہ صرف جیتا جاگتا ثبوت ہے؛ بلکہ خیراتِ روحانی وثمراتِ دینی کو حاصل کرنے کے حوالے سے اسم بامسمیٰ ہے، شعبان کا لفظ شعب سے بنا ہے، جس کے معنی عربی زبان میں پھیلنے کے ہیں، یعنی اس ماہ میں خیرِ کثیر (دینی انوار وبرکات، خدائی مغفرتیں اور بخششیں) پھیل جاتی ہیں، اسی وجہ سے اس کو شعبان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، بالخصوص رمضان المبارک سے اتصال اور تعلق نے شعبان کی اہمیت وفضیلت میں کافی اضافہ کردیا ہے، اسی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شعبان کے مہینے کو بہت اہتمام کے ساتھ گزارنا ثابت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی وقت وزمانہ کا کوئی خاص اہتمام کرنا اس وقت وزمانہ کو عبادات کے ساتھ گزارنے کے علاوہ اور کس بات سے

---

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ہوسکتا تھا، یہاں بھی شعبان کے مہینے کی عظمت و تقدس کے مدِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت کے ساتھ روزے رکھا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان شریف کے علاوہ کسی اور مہینے کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعبان کے علاوہ کسی اور مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (مسلم شریف:2721) بلکہ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند دنوں کے علاوہ تقریباً شعبان کے روزے رکھتے تھے، بلکہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے۔ (ترمذی:637) شعبان کے مہینے کا اہتمام اس حوالے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ فرماتے تھے کہ بندوں کے اعمال کی اللہ کے بارگاہ میں پیشی اسی مہینے میں ہوتی ہے، اور ایک حدیث کے مطابق پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے؛ اس غرض سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص اہتمام فرماتے تھے؛ کہ میرے اعمال جب بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں، یا جس وقت خدا تعالیٰ میری موت کا فیصلہ ملک الموت کو حوالے کر رہے ہوں، تو خاص اس وقت میں روزہ سے رہوں، یہ اور ان جیسی دیگر وجوہات کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینے کا بہت ہی زیادہ اہتمام فرماتے تھے؛ بلکہ لوگوں کے عدمِ اہتمام اور غفلت سے ناراض بھی ہوتے تھے؛ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کہ میں نے شعبان کے مہینے سے زیادہ کسی اور مہینے میں اس قدر آپ کو روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ رجب اور رمضان کے درمیان واقع ایک ایسا مہینہ ہے، جس کی عظمت و وقعت اور برکت و رحمت سے لوگ غافل ہیں، ذاک شهر يغفل الناس عنه بين رجب و شعبان (نسائی :2359) درج بالا وجوہات کی بناء پر شعبان کے اہتمام کے علاوہ مذکورۃ الصدر حدیث شریف میں اہتمامِ شعبان کی وجہ دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمضان کی تعظیم واحترام میں میں شعبان میں روزوں کا اہتمام کرتا ہوں، معلوم ہوا کہ شعبان کا مہینہ جہاں بے پناہ اجر وثواب اور مغفرت بخشش کو پانے بہترین سیزن ہے؛ وہیں رمضان المبارک میں تقسیم ہونے والی روحانی وعرفانی نعمتوں کے حصول یابی کی تیاریوں کا وقت بھی ہے، اس لئے شعبان کے مہینہ کی قدردانی ہر دو اعتبار سے نہایت ہی ضروری ہے، خوش نصیب سعادت مند ہیں وہ لوگ جنہیں اس کا احساس ہے، اور وہ ایسی بیش بہا اور لازوال دولتوں کے مستحق بن رہے ہیں۔ حق تعالیٰ ہم تہی دامنوں کو اس شعور نصیب فرمائے آمین۔

پیش گفتار

اجلاسِ ختم بخاری پر خصوصی خطاب

از: مدیر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد میں اس سال (۱۴۴۷ھ) دورۂ حدیث شریف میں ۳۵/ اور تخصص فی الفقہ والافتاء میں ۲۹ طلباء زیر تعلیم رہے، ۲۸/رجب المرجب ۱۴۴۷ھ م ۱۸ جنوری ۲۰۲۶ء بہ روز اتوار درسِ بخاری شریف کی اختتامی وتہنیتی تقریب منعقد ہوئی، جس میں مدیرِ محترم دام ظلہ العالی نے موجودہ حالات میں دعوتِ دین کی اہمیت، اصلاحِ نفس کی ضرورت، فرقِ باطلہ وضالہ کے خلاف کام کرنے کی ضرورت جیسے اہم فکری وعملی پہلوؤں کی طرف فضلاء کرام اور حاضرینِ اجلاس کی توجہ مبذول کروائی، اسی خطاب کو افادۂ عام کے لئے مرتب کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ از: محمد احمد علی قاسمی۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (سورۃ المائدۃ: 63) وقال: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا (سورۃ النساء: 58) قال النبی ﷺ: إن العلماء ورثة الانبياء إن الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما إنما ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظ وافر۔ (ترمذی: ۲۶۸۲)

یہ کوئی رسمی جلسہ اور عمومی پروگرام نہیں ہے، نہ اس کا کوئی اعلان کیا گیا، اور نہ مسلمانوں کو اس پروگرام میں جمع ہونے کی دعوت دی گئی، یہ تقریب دراصل (فارغ ہونے والے طلباء کے) والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک

بننے اوران کے تمنا کی تکمیل ہونے کی خوشی میں منعقد کی گئی ہے،اس مجلس میں طلباء، اساتذہ، مدرسے کے ذمہ دار ،اور طلباء کے سرپرست بھی ہیں، ان کا دور دراز سے مشقتیں اٹھا کر سفر کر کے آنا اس خوشی میں شرکت اور اس تمنا کی تکمیل سے دل کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے ہے، اسی وجہ سے ہم اس کا اہتمام کرتے ہیں، باقی ہمارے بڑوں نے ختمِ بخاری کے نام سے حد سے تجاوز کر جانے والی تقریبات کو ناپسند کیا ہے، اوراس سے بچنے کی تاکید کی ہے، اسی وجہ سے یہ کوئی لمبا چوڑا پروگرام کوئی بہت بڑا جلسہ نہیں ہے، حدیث کی جو 10 کتابیں آپ نے دورانِ سال پڑھی ہیں ان میں سے ایک کتاب کا آخری حدیث کا درس تبرکاً حضرت مولانا عبداللہ معروفی صاحب مدظلہٗ استاذ دارالعلوم دیوبند دیں گے، تاکہ اُن کے محدثانہ درس سے مستفید ہونے اور ان کی سند سے تیمناً تبرکاً مستند ہونے کا طلبہ کو موقع مل جائے، بس یہ مقصد ہے، مولانا اس وقت فنِ حدیث کے ماہرین میں سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مبارک فن سے غیر معمولی مناسبت عطا فرمائی ہے، اور وافر حصہ نصیب فرمایا ہے، ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے تخصص فی الحدیث کے نگران اور استاد بھی ہیں، مقصد یہی ہوتا ہے کہ جو بڑے اساتذہ بڑی جگہوں پر طلبہ کی بڑی تعداد کی علمی پیاس بجھاتے ہیں، جو طلبہ اُن تک نہیں پہنچ سکے وہ اُن اکابر سے متعارف ہوں اوران سے بھی کچھ استفادہ کرلیں، اس لیے حضرت مولانا کو زحمت دی گئی، وہ اس وقت یہاں تشریف فرما ہیں، آپ ہی کے درس پر آپ لوگوں کی تعلیم کا یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچے گا۔

موجودہ دور میں طالب علمی کے زمانہ کی صورتِ حال

تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہنچنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آج آپ اس آخری حدیث کا درس سننے کے بعد عالم ہو جائیں گے، ایسا نہیں؛ بلکہ عالم ہونے کے لیے یہاں سے آپ کو مستقل جدوجہد اور محنت کرنا پڑے گا، اور جب آپ محنت کریں گے تو آگے چل کر علم کی وقعت وحقیقت آپ کو سمجھ میں آئے گی، اس زمانہ میں طالبِ علمی کا دور کچھ ایسا غفلت کا شکار ہو گیا ہے کہ طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیر وتفریح کا زمانہ ہے؛ حالانکہ کسی زمانے میں طلبہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بہت محنت اور فکر کا زمانہ ہے، اور اگر یہ زمانہ غفلت میں نکل گیا تو پھر اس کی تلافی کا کوئی وقت نہیں آئے گا، طلبہ کو پہلے ایسا احساس ہوتا تھا، اور اسی لیے وہ لوگ اس پر غیر معمولی محنت کرتے تھے، اور اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچا لیا کرتے تھے۔

محی السنہؒ کی طالب علمانہ زندگی کے مجاہدے

ہمارے مرشد اور رہنما محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ فراغت کے بعد حضرتؒ نے پہلے تو فتح پور میں ایک سال پڑھایا، اور پھر واپس اپنے وطن آگئے، حضرتؒ بہت ہی مال دار گھرانے کے آدمی

تھے، اور طبعی طور پر بھی بہت نرم و نازک اور لطیف المزاج تھے، آپ کے والد بڑے ایڈوکیٹ تھے، کئی کئی وکیل ان کے ہاتھ کے نیچے کام کرتے تھے، وہ بہت کمانے والے آدمی تھے، ہماری والدہ محترمہ آپ کے گھر میں خدمت میں تھیں، وہ بتاتی ہیں کہ روزانہ ناشتے میں 40 / 50 نیم برشت تیار ہوتے تھے، کیونکہ ان کے دسترخوان پر اتنے مہمان ہوتے تھے، اتنا سب کچھ تھا، مگر حضرت کے والد نے جب آپ کو سہارنپور پڑھنے کے لئے بھیجا تو فرمایا: بیٹا! میں اگر چاہوں تو روزانہ ہردوئی سے سہارنپور تمہارے لیے کھانا بھجوا سکتا ہوں؛ لیکن جو علم تم حاصل کرنے جارہے ہو وہ اس طرح نہیں آتا، اس لیے تم اپنے ساتھ اسٹور کھ لو، برتن رکھ لو، اور کھانا خود بنا کر کھالینا۔ یہ بات ہم کو حضرت نے خود کئی مرتبہ سنائی، آب دیدہ ہو کر سنائی کہ میں تہجد سے پہلے کھانا بنالیتا تھا، پھر اس کے بعد تہجد کی نماز پڑھتا تھا، پھر قرآن مجید کی قراءت سیکھنے کے لیے جامع مسجد میں جاتا؛ وہاں ایک قاری صاحب فجر کے بعد قراءت سکھاتے تھے، پھر ایک دو کتابیں جو درس میں شامل نہیں تھیں، مگر علماء ان کے پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، تو بعض اساتذہ کے گھر جا کر مدرسہ شروع ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرتا تھا، پھر مدرسے کے اسباق میں پابندی سے حاضر رہتا تھا، صبح کا بنایا ہوا کھانا دوپہر اور شام میں کھالیتا۔ حالاں کہ وہ ایسے گھرانے کے تھے جس گھرانے میں نعمتوں کی کوئی کمی نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود بہت مجاہدے سے پڑھا، اور بڑی کامیابی کے ساتھ پڑھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ـــــ جن سے آپ نے بخاری شریف پڑھی تھی ـــــ "آپ بیتی" میں لکھا ہے: ''کہ مولانا ابرارالحق صاحب زمانۂ طالبِ علمی ہی میں صاحب نسبت تھے''، یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلب علمی کے زمانہ میں عطا فرمایا ہوا تھا، اب لوگوں کے ذوق بالکل بدل گئے، دین کی طرف، تزکیہ اور تجلیہ کی طرف رجحان ہی نہیں، ان امور سے طلبہ کو بالکل دلچسپی نہیں رہی۔

فراغتِ تعلیم کا مطلب

ایسی محنت کرنے سے طلبہ کے علم میں بہت برکت ہوتی تھی، اور وہ ذی صلاحیت عالم بن کر نکلتے تھے، اس سب کے باوجود ہمارے اکابر و اسلاف فراغت کے وقت طلبہ کو یہ بتادیتے تھے کہ یہ آپ کے عالم ہونے کی سند نہیں ہے، یہ علم حاصل کرسکنے اور عالم بن سکنے کی صلاحیت پیدا ہونے کی سند دی جارہی ہے، یعنی اتنے سال محنت کر کے ہم نے آپ کے اندر علم سے مناسبت پیدا کردی ہے، اب کتاب وسنت اور مراجع وماٰخذ سے براہِ راست استفادہ کرسکتے ہو۔ جیسے دعوت وتبلیغ کے جو اکابر تھے وہ وقت لگا کر آنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ ''ہم نے آپ کو دین سکھا نہیں دیا ہے، ہم نے آپ کو آپ کے ماحول سے ہٹا کر آپ کے اندر دین سے مناسبت پیدا کردی ہے، جو غفلت تھی ختم کردی، باقی دین سیکھنے کے لیے تو عمر چاہیے، اب آپ یہاں سے واپس ہو کر اپنی

اپنی بستی کے علماء سے جڑیں، دین سیکھیں، اور دین پر عمل کریں، ایسا واپسی کی ہدایات میں مراکز کے اندر روزانہ کہا جاتا تھا،'' آپ لوگوں کے لیے بھی یہی ہے کہ اتنے برس پڑھنے کے بعد اب آپ میں کتاب وسنت کی فہم سے ایک مناسبت اور استعداد پیدا ہوگئی ہے، اب آگے آپ اس مناسبت کا فائدہ اٹھائیں گے تو علم آتا رہے گا، اور اگر اس کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو پھر سمجھ لو کہ علم کا سلسلہ ختم ہوگیا، صلاحیت تو پیدا ہوگئی لیکن صلاحیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

علمی استعداد میں ترقی کی بنیاد

صلاحیت اس کی کہ آپ کتابُ اللہ، سنتُ رسول اللہ اور فقہ اسلامی کو پڑھ سکیں، سمجھ سکیں، اور اسے دوسروں تک پہنچا سکیں، اس استعداد پر جس کو ناز، عجب اور غرور وتکبر ہوگا وہ محروم العلم ہو جائے گا، اور جو اِس استعداد سے تواضع اور عاجزی کے ساتھ بھرپور فائدہ اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو علم کے مختلف مراحل سے گزاریں گے، یہاں تک کہ وہ خاص علم جو اللہ تعالیٰ طالب ومشتاق اور محتاج بندوں کو اپنی طرف سے عطا فرماتے ہیں وہ بھی ملے گا، بشرطیکہ کہ اللہ کے سامنے ہماری احتیاج اور طلب ظاہر ہوتی ہو، یاد رکھو! غافل کی کوئی قانون مدد نہیں کرتا، غافل کو اللہ سے بھی کوئی مدد نہیں حاصل ہوتی۔

دو لفظوں نے علماء کو نقصان پہونچایا

آپ لوگ یہ نہ سمجھئے کہ ہم فارغ ہو گئے ہیں، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نوراللہ مرقدہٗ بار بار کہا کرتے تھے، یہاں حیدرآباد میں، دارالعلوم دیوبند کے دروس میں، رابطے کے اجلاسوں میں اور کئی موقعوں پر یہ بات فرمائی تھی کہ" فاضل" اور" فارغ" دو لفظوں نے ہمارے علماء کو تباہ کر دیا اور انہیں بیکار بنا دیا ہے، فرماتے تھے: فاضل اسم فاعل ہے، اس کا ایک مصدر" فضول" بھی ہوسکتا ہے، اور ایک مصدر" فضیلت" بھی ہوسکتا ہے، تو غور کرنا چاہیے کہ طلبہ" فضیلت" سے فاضل ہیں، یا" فضول" سے، ان کو فاضل کے لفظ نے دھوکہ دے دیا کہ ہم فاضلِ دیوبند ہیں، یا فاضلِ اشرف العلوم ہیں۔ اور دوسرا لفظ" فارغ" ہے، فارغ کا مطلب مصروفیت ختم ہوگئی، فراغت ہوگئی، یعنی سمجھتے ہیں کہ اَب فرصت ہوگئی؛ حالاں کہ اگر تھوڑی بہت فرصت تھی تو وہ اب تک تھی ہوگی، اب کہاں فرصت ہے؟ اب تو یہ زندگی بھر کا جوکھم ہے جو موت پر ختم ہوگا، یہ بات طالب علموں کو سمجھنا چاہیے، اور فراغت کے لفظ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، علم کے بڑھانے کے لئے مسلسل جدو جہد اور محنت کرنا چاہیئے، تب جا کر علمی برکات کا سلسلہ چل پڑے گا۔

صدقِ طلب کی برکت

دارالعلوم سبیل السلام میں ختم بخاری شریف کا جلسہ تھا، حضرت مولانا رفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو پڑوس ملک کے بہت بڑے عالم دین گزرے ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے بڑے بھائی اور دارالعلوم کراچی کے مہتمم تھے، وہ اِس جلسے میں تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ جب میں فارغ ہوا تو مجھے پڑھانے کے لیے دارالعلوم میں لگا دیا گیا تھا، مختلف کتابیں پڑھاتے پڑھاتے ایک وقت آیا کہ پھر مجھے حدیث کی کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' پڑھانے کی ذمہ داری دی گئی، یہ حدیث شریف پڑھانے کا پہلا تجربہ تھا، فرمایا کہ میرے اوپر حدیث کا بہت رعب رہتا تھا، اس کو سمجھنے سمجھانے کی امانت کا رعب اتنا تھا کہ میں عشاء کی نماز کے بعد مطالعہ گاہ میں جا کر کل کے سبق کی تیاری کرتا تھا، اور اس تیاری میں صبح کی اذان ہوجاتی تھی، رات بھر شروحات کا مطالعہ کرتا کہ اگر یہ اشکال ہو تو یہ جواب ہوگا، شروحات میں چونکہ امکانات واشکالات ہوتے ہیں، حل اور جواب بھی ہوتا ہے، تو کوئی ایک شروحات دیکھتے دیکھتے صبح ہوجاتی تھی، لائبریری کا ذمہ دار صبح کی نماز کو جاتے وقت اعتراض کرتا تھا، (مدرسے کی ہدایت تھی کہ 11 بجے بتی بند ہوجانا چاہیے) کہ مولانا رات آپ بتی گُل کرنا بھول گئے، میں سوچتا تھا کہ میں بھول کہاں گیا، میں تو صبح تک پڑھتا ہی رہا، تو اس وقت مفتی صاحب نے جو نکتے کی بات بتائی تھی، وہ میں آپ کو بتانا چاہ رہا ہوں؛ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اتنی تیاری کے بعد جب میں درسگاہ میں آکر بیٹھتا، اور پڑھانا شروع کرتا تو طالب علم ایسا سوال کرتا تھا جو کسی شرح میں مجھے ملا ہی نہیں تھا، ظاہر سی بات ہے کہ اس کی تو میری تیاری تھی نہیں، کتابوں میں کہیں یہ سوال واشکال ملا تھا اور نہ جواب؛ لیکن ایسا ہوتا کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ طالبِ علم کی صدقِ طلب کی برکت سے دل میں اس کا جواب الہام فرما دیتے، اور فرمایا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کی مدد تھی وہ رات بھر کی محنت کے صلے میں اللہ تعالیٰ نصیب فرماتے، صلہ تو کیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ قدر فرماتے ہیں، **وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا**، اللہ تعالیٰ بندوں کی محنتوں کی قدر فرماتے ہیں، اور پھر اس کا عوض وانعام بھی دے دیتے ہیں۔

بلاغِ علم کا سلسلہ فی الفور شروع کردینا چاہیئے

اس لئے آپ لوگوں کو چاہیئے کہ طلبِ علم کا سلسلہ بھی جاری رکھیں، اور بلاغِ علم کا سلسلہ بھی، دین کا کام ابھی سے شروع کریں، اگر کوئی طالبِ علم آگے اور پڑھ رہا ہے تو ٹھیک ہے، اللہ نے موقع دیا، اس کا فائدہ اٹھائے؛ لیکن جن کو آگے نہیں پڑھنا ہے، تو انہیں ادائے امانت کا کام فوراً شروع کردینا چاہیے۔

اس وقت عام طور سے نسوان کے مدارس میں ختمِ بخاری شریف کا سلسلہ چل رہا ہے، تو جہاں بھی جانا ہوتا

ہے، خاص طور سے فارغ ہونے والی بچیوں سے کہتا ہوں کہ آپ اللہ کے واسطے آج کا دن گزر جانے کے بعد (آج تو ملنے ملانے، مبارکبادیوں میں خوشیوں میں گزرے گا) کل کے دن ہی سے اپنے گھر میں مکتب شروع کریں، اڑوس پڑوس کی بچیوں کو خود کوشش کر کے بلا لو، عورتوں کو جمع کرلو، اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اس علم کا حق ادا کرنے کے واسطے اپنی زندگی کے ٹائم ٹیبل میں شامل کرلو، جب تک میکے میں ہیں میکے میں کرو، جب سسرال جائیں تو وہاں بھی اچھی خدمت اور اچھے اخلاق سے متأثر کر کے اپنے بڑوں سے پرمیشن لے لو، اور وہاں بھی مکتب کا کام شروع کرو، جہاں رہو؛ موت تک وہ کرو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اور ان کی وفات کے بعد سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی وفات یعنی نصف صدی تک کیا، اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی اشاعت فرماتی رہیں، ہر ہر عالمہ کو بھی ایسے ہی کرنا چاہیے۔

ہر طالب علم کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت

آپ لوگوں کو بھی کہتا ہوں کہ اگر آگے نہیں پڑھنا ہے تو فوراً کام شروع کرو، اپنے خاندان کے بچوں کو علم پہنچاؤ۔ یہ بات بھی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے واقعے کے ضمن میں لکھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے گھر جاتے وقت یہ فرمایا تھا کہ "جو کچھ یہاں سیکھا ہے وہاں اپنے گھر والوں کو سکھا دینا" ارجعوا الی اھلیکم فعلّموھم (بخاری:۸۷) اس حدیث کی روشنی میں حضرت رحمہ اللہ نے توجہ دلائی کہ ہر طالب علم کو یہ نبی کی وصیت ہے، اور یہی اُن کے اساتذہ کی وصیت ہے کہ جو کچھ سیکھا ہے وہ دوسروں تک پہنچاؤ، بالخصوص گھر والوں کو پہنچاؤ۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ بہت سے علماء ایسے ہیں کہ ان سے ہزاروں لاکھوں لوگ مستفید ہوئے اُن کی باتیں سُن کر اپنے عقیدے درست کر لئے، توبہ کر لی، نیک اور صالح بن گئے لیکن خود ان کے گھر میں اندھیرے کا اندھیرا ہی رہا، اُن کے اپنے گھر میں روشنی نہیں آسکی، اس کی طرف ہمیں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہم اپنے گھر والوں کو محروم نہ کریں، اس علم کے پہنچنے کے سب سے پہلے حق دار اپنے قریبی رشتہ دار ہیں، الاقرب فالاقرب کی ترتیب کے مطابق آپ کو کام کرنا ہے، اپنے گھر میں اپنی بہنوں، اپنے بھائیوں، بھائی کے بچوں، بہن کے بچوں، اور سب کو دین پہنچائیں، والدین کو بھی اگر ضرورت ہے تو اُن کی خدمت کے ساتھ ساتھ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو بھی تھوڑا تھوڑا دین پہنچائیں، اگر آپ کے گھروں میں کچھ بدعات وخرافات پہلے سے چلے آرہے تھے وہ آپ کے عالم بننے کے بعد بھی چل رہے ہیں تو پھر آپ کے علم سے اُن کو کیا فائدہ پہنچا؟ آپ کے علم کی روشنی سے ان کے جہل کا اندھیرا ختم ہونا چاہیے، اور گھروں میں سنتوں کا اتباع آنا چاہیے، یہ سب وہ عالم کر سکے گا جس کو اپنے علم کی ذمہ داری کا احساس

ہو، اور اگر کوئی اس کو صرف شرف سمجھتا ہے تو شرف تو یقیناً ہے، بڑی سعادت بھی ہے؛ لیکن اسی وقت جب کہ وہ اس کا حق بھی ادا کرے، اور حق نہ ادا کرے تو یہ علم بڑی حجت اور مواخذہ کا سبب ہے، قرآن کریم نے بے عمل اور بے فیض علماء کی مثال کتے اور گدھے سے دی ہے جو حقیر مخلوق ہیں، یہ بہت ہی خوف کرنے اور ڈرنے کا مقام ہے۔ اس لیے آپ کو یہ عزم کرلینا ہے کہ آپ لوگ اپنے خاندانوں میں دین کی محنت کو عام کرنے کی فکر کریں گے۔

اپنے وطن اور علاقہ کو اپنے کام کا میدان بنائیں

بہت سے علماء فارغ ہوتے ہیں تو وہ بڑے بڑے شہروں کا رخ کر لیتے ہیں، اور شہروں ہی میں بس جاتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود ان کے وطن میں اندھیرا ہی اندھیرا اور جہالت کی جہالت رہتی ہے، جب کہ دیہاتوں کی صورتِ حال یہ ہے کہ بچے دینی تعلیم سے محروم ہو رہے ہیں، لڑکیاں غیروں کے ساتھ جارہی ہیں، کوئی ترس کھانے والا، سمجھانے والا اور ماحول کو بدلنے والا نہیں ہے، چھوٹے چھوٹے بچے ہندوانا زندگی گزار رہے ہیں، کوئی نہیں جو اس امتِ محمد کے معصوموں پر ترس اور رحم کھائے، اور ان کی ہدایت کے لیے فکریں کرے، اِس لیے ہم آپ سے کہیں گے: اپنے وطن کو اپنے کام کا میدان بنائیں اور اپنے علاقے کو اپنے لیے منتخب کریں، آپ نے اس لیے تو نہیں پڑھا کہ خوب پیسے کمائیں گے، خوشحال ہو جائیں گے، خوشحالی تو اللہ تعالیٰ اخیر عمر میں ہر عالم کو دے دے گا؛ لیکن شروع میں اللہ آپ سے مجاہدہ چاہے گا، آپ کو مجاہدہ سے گزرنا پڑے گا، ہمارے بزرگوں نے بھی اس اُمت کے لئے بڑی قربانیاں دیں اور بہت مجاہدے کئے، تب جا کے اللہ تعالیٰ نے دین کی اس ملک میں یہ باغ و بہار دکھائی ہے۔

حضرت محی السنہؒ کو حکیم الامتؒ کی اہم نصیحت

حضرت محی السنہ رحمہ اللہ نے فرمایا: کانپور کے ''مدرسہ جامع العلوم'' میں ''مشکوٰۃ'' کی تدریس کے لیے ایک مدرس کی ضرورت تھی، ان لوگوں نے حضرت تھانویؒ کو لکھا کہ کوئی اچھا مدرس اور عالم ہمیں چاہیے، آپ رہنمائی فرمائیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب سے کہا کہ اب میں تو اس کام کے کرنے کے موقف میں نہیں ہوں، اگر آپ کی نظر میں کوئی ہے تو مدرسہ والوں کو مشورہ دے دیجیے، انہوں نے کہا: مولانا ابرارالحق صاحب ہیں، اچھے عالم اور نو فارغ ہیں، کیا ان کا مشورہ دے دیا جائے؟ حضرت نے پسند فرمایا تو مدرسہ والوں کو یہی مشورہ دے دیا گیا، اور مجھے وہاں بلا لیا گیا، یہ بات کئی دفعہ ہم نے حضرت کی زبان سے سنی کہ میں تیار ہو کر پہلے تھانہ بھون گیا، اور اپنے شیخ و مرشد سے اجازت طلب کی، حالانکہ مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا؛ لیکن میں نے ادباً حضرت سے اجازت لی، حضرت نے اجازت دے دی، میں نے عرض کیا: حضرت! اس

راہ میں قدم رکھنے سے پہلے کوئی نصیحت فرما دیجئے، حضرت نے فرمایا: ’’کہ جاؤ، اور جا کر کام شروع کرو، نہ تنخواہ کا مطالبہ کرنا، اور نہ تنخواہ میں اضافے کی درخواست کرنا، بس کام کرو، علم کی خدمت کرو، اللہ تمہیں اتنا دے گا کہ دو ہاتھوں سے بٹورنا چاہو تو بھی نہ بٹور سکو گے، یہ بات کہتے وقت حضرت آب دیدہ ہو جاتے تھے، اور ہم لوگوں سے فرماتے تھے کہ تم لوگ دیکھ رہے ہو، اللہ نے میرے شیخ کی اس پیشین گوئی کو کس طرح پورا فرمایا، اللہ نے کیا عزت دے رکھی، کیا کچھ دے رکھا ہے، مادی نعمتوں سے بھی اللہ نے محروم نہیں کیا، واقعۃً ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اِنہیں بڑی پرکشش زندگی عطا فرمائی تھی، ہر نئی اور قیمتی چیز میں نے سب سے پہلے انہی کے پاس دیکھی۔

خدامِ دین کی معاشی صورتِ حال

ہم جیسے خدمت کرنے والوں پر بھی اللہ پاک کی نوازشات بے انتہاء ہیں، باقی اگر کہیں علماء معاشی سلسلہ میں تنگی اور مشکل میں ہیں بھی تو ایسے حالات سے سابقہ سب کو پڑتا ہے، یہ جو بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے ہیں وہ بھی تو اپنی آمدنیوں کے سلسلے میں پریشان ہیں، بلکہ مولویوں کی خوش حال زندگی کو حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ کیسے یہ لوگ اتنے آرام سے گزارہ کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خدامِ دین کی آمدنی میں ایک غیبی برکت عطا چھپا رکھی ہے، میں کہتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بہت دینے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن وہ ہم سے زیادہ گنواتے نہیں، زیادہ عطا فرماتے ہیں، بس پیسے گننے کی زحمت ہم کو نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو یقیناً ابتدائی زندگی میں تنگیوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن اگر ہم غور کریں تو ہزاروں ڈاکٹرز ایسے ملیں گے جنہیں ملگی کا کرایہ بھی نہیں نکلتا، اور لاکھوں انجینئرز ایسے ملیں گے کہ جن کے گھر میں ضرورت بقدر کھانا بھی نہیں بنتا، تو کیا ان کی ڈگریوں نے ان کو اتنا خوش حال بنا دیا؟ تھوڑے لوگ ہیں جو خوش حال ہیں، اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ (سورۃ الرعد:۲۶) یعنی اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر فیلڈ میں کسی کے لیے بسط فرمایا ہے، اور کسی کے لیے قدر فرمایا ہے، یہ ان کی تقدیر ہے، تو دینی میدانوں میں بھی کسی کی روزی زیادہ ہے کسی کی کم ہے، ہمیں ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ تنگیاں صرف ہمارے ہی میدان میں ہیں، یہ دنیا کے تمام میدانوں میں ہیں، اس لیے آپ لوگ اس کی طرف توجہ نہ دیں، ضروری تدبیر کے بعد بلاغِ مبین کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں لگے ہیں۔

یہ دستار بڑی ذمہ داریوں کی دستار ہے

دوسری بات یہ ہے کہ فرقِ باطلہ نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہوا ہے، انٹرنیٹ کے فتنوں نے مسلمانوں کی بڑی تعداد کو گمراہی کے دہانے پہ کھڑا کر دیا ہے، بہت سے گمراہ ہو گئے ہیں، اچھے خاصے خاندانوں

گھرانوں بلکہ خوشحال عقیدے اور اچھے اعمال والے سنی بچوں کے بارے میں اب یہ خبریں ہیں کہ وہ رفض وشیعیت سے متاثر ہیں، اور صحابہؓ سے سخت بدگمان ہوتے جارہے ہیں، کئی جگہوں پر مجھے وہاں کے علماء نے بتایا کہ یہاں کے نوجوان صحابہ سے دل میں بدگمانیاں رکھتے ہیں، کیونکہ یوٹیوبرز جس طریقے سے صحابہؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہیں اِسے متأثر ہوکر بہت سے سنی بچے اور بچیاں متاثر ہوتے جارہے ہیں، اور گمراہ فرقوں کی تو کوئی کمی نہیں ہے چوطرف منڈلارہے ہیں، اس لیے عزیزو! یہ جو آج آپ کے سرپر دستار ہے، یہ دستار بڑی ذمہ داریوں کی دستار ہے؛ جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وصال کے وقت اپنے چاروں بیٹوں کو بلاکر فرمایا تھا کہ ''بچو! اب تو میری ہڈیوں کا گودا بھی خشک ہورہا ہے، ملک میں حالات بدل گئے، مسلم حکومت ختم ہوگئی، انگریز غالب آگئے، ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان اور مستقبل کو سوچ کر میرا دل کُڑھ رہا ہے، لیکن میں کچھ کرنے کے قابل نہیں، میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا ایمان تمہارے پاس گروی رکھ کر دنیا سے جارہا ہوں،'' اتنی بڑی ذمہ داری بچوں کو دے کے گئے، اوران بچوں نے بھی وفاداری کا حق ادا کر کے دکھایا، ہندوستان میں آج ایمان کی جو کچھ باغ و بہار نظر آرہی ہے، اسی خانوادے اور اچھے سلف کے بعد اچھے خلف کی دَین ہے، یہ اسی ذمہ داری کا احساس تھا، وہ احساس آج آپ کے سینوں میں ہونا چاہیے کہ پورے ملک کے مسلمان، یا کم ازکم میرے وطن، میرے ضلع کے مسلمانوں کے ایمان کا میں محافظ ہوں، مجھے مدرسہ نے اُن کا نگہبان بنا کے بھیجا ہے، اب مجھے نگرانی کرنا ہے، سب کے دین کی حفاظت کرنا ہے، اس ذمہ داری کے ساتھ آپ میدان عمل میں اتروگے، تو زندگی کی عیش وعشرت بھول جاؤ گے، ہماری ہڈیاں گل جائیں گی اور اللہ کا دین زندہ ہوجائے گا، تب تک ہم اللہ کے پیارے ہوچکے ہوں گے، اس واسطے مجاہدات کا اپنے کو خوگر اور عادی بناؤ، جی جان سے ملتِ اسلامیہ کی خدمت کرو۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

آخری بات جو آپ فارغ ہونے والے طلباء (چاہے وہ دورہ حدیث کے ہوں یا افتاء کے) سے کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ''کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی''، خشک ملا سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا، صرف کام کے نقشے سامنے آتے رہتے ہیں اثرات کچھ بھی نہیں نظر آتے، بعض لوگوں کے بڑے بڑے پلان، بڑی بڑی عمارتیں، بڑے بڑے دعوے ہوتے ہیں اور کام کچھ نہیں ہوتا، اور ایک بندہ جس کے پاس کوئی وسائل نہیں لیکن اس نے اپنے مرشد کے توسط سے اللہ سے لولگا کے رکھی ہوئی ہے، اس کے ذریعے اللہ وہ کام لیتے ہیں جو بڑی بڑی اکیڈمیاں اور انجمنیں بھی لاکھوں کروڑوں کے بجٹ سے نہیں کرسکتیں، اللہ پاک اپنے اس خالی ہاتھ بندے سے وہ کام

لے لیتے ہیں، اسلامی تاریخ شاہد ہے، اس پر بھی آپ کو بہت زیادہ غور کرنا چاہیے، ہمارا تعلق کسی اللہ والے سے ہونا چاہیے، اور یہ تعلق فخر کے لیے نہیں کہ میں فلاں کا مرید ہوں، میں فلاں کا خلیفہ ہوں، یہ تعلق وخلافت کوئی سند اور ڈگری نہیں ہے، اللہ کے یہاں تو ہمارے قلب کی کیفیت دیکھی جاتی ہے، اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ، (سورۃ الحجرات: ۱۳) یعنی درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، صفحۂ قلب پاک ہونا چاہیے، تزکیۂ اخلاق ہونا چاہیے، تجلیہ اور تحلیہ ہونا چاہیے، ہم اچھے انسان اور اچھے مسلمان بن جائیں، اچھے انسان ہی نہیں بن سکے تو اچھے مسلمان بھی نہیں بن سکتے، ہمارے اکابر بالخصوص مشائخِ چشتیہ دیوبندیہ نے خاص توجہ اصلاحِ اخلاق کی طرف فرمائی، اور اسی طریقے سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے بہت زیادہ توجّہ اور دھیان شریعتِ اسلامیہ اور سنتِ نبویہ پر دیا ہے، حضرت مجدد صاحبؒ کے ملفوظات میں ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے تقرُّب کی منزلوں میں جہاں تک اُسے منظور ہوا وہاں تک سیر کرائی؛ یہاں تک کہ اتنی بلند سیر میں نے کی کہ شاہِ نقشبند کو بھی نیچے پایا، اور اس کے اوپر تک اللہ تعالیٰ نے پہنچایا، اور فرماتے ہیں: وہاں جا کر جو آخری درس مجھے دیا گیا؛ وہ اتباعِ شریعت وسنت کا درس دیا گیا، اس لیے انہوں نے کہا: البداية في النهايه، کہ اللہ کے قرب کی آخری منزل میں بھی اللہ کے دین کی اہمیت سکھائی جاتی ہے، اور اللہ کے نبی کی سنتوں کی عظمت بتائی جاتی ہے، اس لیے اپنی شخصی زندگی بھی مسنون بنالینا ہے، اور اللہ سے لو لگانا ہے، ہمارے حضرت محی السنہ رحمہ اللہ جب کبھی کچھ علماء جمع ہو جاتے، ان کو نصیحتیں فرماتے تھے، آخر میں حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک شعر بڑے درد اور بڑے ہی فکر وکرب کے ساتھ علماء کے سامنے پڑھتے تھے۔

دل میں لگا کے اُن کی لَو
کر دے جہاں میں نشرِ ضَو
شمعیں تو جل رہی ہیں سَو
بزم میں مگر روشنی نہیں

خشک مُلّا مت بنو

بزم میں روشنی نہیں، یعنی ان خشک ملاؤں کی تعداد بہت ہوتی جارہی ہے؛ پر اندھیرا نہیں چھٹ رہا ہے، جب اللہ سے لو لگا کے میدانِ عمل میں اترو گے، پھر سارے اندھیرے چھٹ جائیں گے، اور دینی روشنی ہوجائے گی، آج علماء کے اندر اس چیز کی بڑی کمی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میرے والد نے میرے عالم بننے پر فرمایا تھا: ''پسرم! ملائے خشک و ناہموار نہ باشی''، بیٹے! خشک مُلّا مت بنو، اہل اللہ سے تعلق قائم کرو، دل کی دنیا آباد کرو، تب جا کر تم سے کام ہوگا، تمام بزرگوں کی یہی نصیحت ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ختمِ بخاری پر فرمایا: ''بچو! جو کچھ تم نے سیکھا وہ نقوش و حروف ہیں، اب اس کے نور کو لینے کے لیے کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرو''، جوتیاں سیدھی کرنا محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: اپنے آپ کو کسی کے سامنے مٹا دینا اور فنا کر دینا، کسی کے سامنے پامال ہو جانا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ بلند سے بلند تر فرما دیتا ہے۔

اب مدرسوں میں تزکیہ کا مستقل نظام ہونا ضروری ہو گیا ہے

ابھی مجھے یاد آیا کہ دو دن پہلے دار العلوم کراچی میں ختمِ بخاری کی تقریب ہوئی، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے درس دیا، جس میں حضرت نے بار بار ایک بات فرمائی: کہ اب مدرسوں کے اندر تزکیہ کا مستقل نظام ہونا ضروری ہو گیا ہے؛ کیونکہ لوگ از خود اس کی فکر نہیں کر رہے ہیں، اساتذہ اور طلباء بھی اس کی جانب متوجہ نہیں ہیں، اس لئے مدرسہ ہی کے نصابِ تعلیم کے ساتھ نصابِ تزکیہ بھی مرتب ہونا چاہیے، اور پھر حضرت نے بڑے درد سے فرمایا: میں شاید اگلے سال تک رہوں یا نہ رہوں، اگر میں زندہ نہ رہوں تو مدرسہ والوں کو یہ میری وصیت ہے کہ اگلے سال سے مدرسہ کے اندر طلبہ کے لیے تزکیہ کا نظام مرتب کریں تا کہ اسی جگہ پر جہاں وہ علم حاصل کر رہے ہیں ان کو تزکیہ کی تعلیم بھی مہیا ہو جائے، اتنے بڑے شیخ الاسلام اور شیخِ طریقت کی یہ فکر معمولی صورتِ حال کی طرف متوجہ نہیں کر رہی ہے، اس وقت مدارس کی غیر معمولی صورتِ حال ہے، دین سے دوری، دن رات قال اللہ اور قال الرسول کے باوجود زندگیاں اللہ کے دین سے، نبی کی محبت سے معرّیٰ نظر آتی ہیں، اور اہل اللہ سے کوئی رشتہ نہیں، اس لئے آپ لوگوں کو اس کی جانب بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

عزیز بچو! آپ جا رہے ہو، تو آپ اس ادارہ کے نمائندہ ہو، اپنے اساتذہ کے نمائندہ ہو، جنہوں نے آپ کے اوپر آٹھ برس محنت کی، لہذا آپ اپنے علاقے کو اپنا میدانِ عمل بنا کر یہ طے کر کے پہنچو کہ میرے ہوتے ہوئے میرے علاقے میں کوئی واقعہ بیٹیوں کی ذلت کا نہیں پیش آئے گا، میرے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان مرتد نہیں ہوگا، کوئی ملحد نہیں ہوگا، کسی فتنے کو یہاں سرگرم ہونے کی گنجائش نہیں ہوگی، میں کون؟ مگر میں اپنے اللہ کے بھروسہ پر کام کروں گا، اس ارادے سے آپ کو اپنے اپنے وطن جانا ہے، اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے اساتذہ کی محنتوں کو ضائع نہیں کریں گے، ان کی امیدوں پر بھرپور اتریں گے، والدین کی تمنا پوری کر کے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو سب کو توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

گوشۂ سیرت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحویلِ قبلہ کا حکم

از: مرتب*

حضرت براء ابن حاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت سے متعلق ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی اور آپ نے وہاں سکونت اختیار فرمالی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۶/۱۷ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی تمنا یہ تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوجائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: ۱۴۴) (یعنی اے پیغمبر! ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، چناں چہ ہم تمہارا رخ ضرور اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے، لو اَب اپنا رخ مسجدِ حرام کی سمت کرلو)۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا رخ خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا، یہودیوں میں سے کچھ نادان قسم کے لوگوں کو اعتراض ہوا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ یہ لوگ اُس قبلے سے پھر گئے جس کی طرف یہ رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے یعنی بیت المقدس سے؟ تو اللہ پاک نے جواب میں دوسری آیت نازل فرمائی: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یعنی: آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے، سیدھی راہ کی ہدایت کر دیتا ہے۔) (مطلب یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم اللہ کی طرف سے آیا ہے، کوئی سمت اپنی ذات میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی وہ سب اللہ کی بنائی ہوئی ہے وہ جس طرف رُخ کرنے کا حکم دے گا اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جائے گی۔)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک صاحب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھے اور نماز کے بعد وہاں سے نکل کر انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے، وہ لوگ عصر کی نماز میں بحالت رکوع بیت المقدس کی طرف رخ کیے ہوئے تھے تو انہوں نے بتایا کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نماز میں حاضر تھے، اب آپ کو خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے، چناں چہ انہوں نے نماز ہی کی حالت میں خانۂ کعبہ کی طرف اپنا رخ کرلیا۔ (دلائل النبوۃ: ۲/ ۴۲۵)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت صعبہ بنت الحضرمیؓ

(والدۂ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ یکے از عشرہ مبشرہ)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

اسلامی تاریخ میں بعض خواتین ایسی گذری ہیں، جو ابتداء میں اسلام مخالف تھیں، پھر اللہ عز وجل نے ہدایت وایمان کی توفیق نصیب کی جس کے نتیجے میں وہ مسلمان ہوگئیں اور اسلام کے لئے بڑی عظیم خدمات انجام دیں، اُنہی خوش بختوں میں ''صعبہ بنت الحضرمی'' عظیم صحابیہ بھی شامل ہیں، جو یکے از عشرہ مبشرہ عظیم صحابیِ رسول حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔

نام ونسب اور خاندانی پس منظر

حضرت صعبہ بنت الحضرمیؓ، عبد اللہ بن عماد الحضرمی کی بیٹی تھیں، الحضرمی کی نسبت حضرموت (یمن) کی طرف ہے، عبد اللہ بن عماد حضرموت سے مکہ مکرمہ آئے اور وہیں سکونت اختیار کی، مکہ میں وہ بنو امیہ کے حلیف بنے اور بالخصوص حرب بن امیہ (والدِ ابوسفیان) کے حلیف ہوئے، ان کی اولاد کے بارے میں مصادرِ تاریخ میں درج ہے کہ:

(۱) حضرت علاء بن الحضرمی: معروف صحابی۔

(۲) عامر بن الحضرمی: جو غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مارا گیا۔

(۳) عمرو بن الحضرمی: مشرکین کا پہلا مقتول، جس کے قتل سے غزوۂ بدر کا پس منظر بنا۔

(۴) حضرت صعبہ بنت الحضرمی: حضرت طلحہؓ کی والدہ۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، طلحۃ بن عبید اللہ: ۴۳۰/۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

---

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدر آباد

ازدواجی حالات

حضرت صعبہؓ کا پہلا نکاح ابوسفیان بن حرب سے ہوا، اس وقت ہند بنت عتبہ ان کی سوتن تھیں، تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ صعبہ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت حسن وجمال عطا فرمایا تھا، جس کے سبب ہند بنت عتبہ نے ابوسفیان پر دباؤ ڈالا کہ وہ صعبہ کو طلاق دے دیں، بالآخر طلاق واقع ہوئی، تاہم ابوسفیان نے بعد میں اس پر شدید ندامت کا اظہار کیا، طلاق کے بعد صعبہ نے عبید اللہ بن عثمان التیمی سے نکاح کیا، جن سے حضرت طلحہؓ اور دیگر اولاد پیدا ہوئی۔ (اسد الغابۃ، العلاء بن الحضرمی، ۳/۵۷، دار الفکر، بیروت)۔

اسلام سے قبل کا رویہ

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اسلام قبول کرنے والوں میں اوائل میں شمار ہوتے ہیں؛ لیکن ان کی والدہ ابتداء میں اسلام کی شدید مخالف تھیں، وہ بت پرستی پر قائم رہیں اور اپنے بیٹے کو اسلام سے روکنے کے لیے سخت رویہ اختیار کیا، امام بخاری نے التاریخ میں مسعود بن حراش سے روایت نقل کی ہے:

ہم صفا اور مروہ کے درمیان تھے کہ ایک نوجوان کو گردن سے باندھ کر لایا جارہا تھا، اور اس کے پیچھے ایک عورت غصے میں برا بھلا کہہ رہی تھی، پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا گیا: یہ طلحہ بن عبید اللہ ہے، اور یہ اس کی ماں صعبہ بنت الحضرمی ہے۔

”بینا أنا أطوف بین الصفا والمروۃ، إذا ناس کثیر یتبعون فتی شابا موثقا یدہ فی عنقہ، قالوا: هذا طلحة بن عبيد الله صبا وامراة ورائه تسبه، قالوا:هذه أمه الصعبة بنت الحضرمی“ (التاریخ الاوسط، للامام البخاری: ۱/۸۸، دار الوعی، حلب، القاہرۃ)

قبولِ اسلام اور ہجرت

وقت گزرنے کے ساتھ صعبہ کے دل میں ایمان کی روشنی داخل ہوئی، انہوں نے اسلام قبول کیا اور بعد ازاں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، امام نوویؒ نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ: ”صعبہ بنت الحضرمی مسلمان ہوئیں اور انہوں نے ہجرت بھی کی“ (أسلمت و ھاجرت)۔ (تہذیب الاسماء واللغات، حرف الطاء: ۱/۲۵۲)

فروغ اسلام کے لئے جدوجہد اور بیٹے کی تربیت

مدینہ میں حضرت صعبہؓ نے اسلامی معاشرے کی تشکیل، غزوات کے اثرات اور اپنے بیٹے کی عظیم قربانیوں کا مشاہدہ کیا، حضرت طلحہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف القابات عطا فرمائے:

(۱)طلحۃ الخیر (غزوۂ احد) (۲)طلحۃ الفیاض (ذات العشیرہ) (۳)طلحۃ الجود (غزوۂ حنین) یہ القابات ان کے اخلاص اور ایثار کی دلیل ہیں۔ ''ولقد ضرب طلحۃ بن عبید اللہ أروع المثل فی ذلک حتی سماہ النبی ﷺ، طلحۃ الخیر، وطلحۃ الفیاض، وطلحۃ الجود''۔(کتاب فصل الخطاب فی الزہد والرقائق والآداب، محمد نصر الدین محمد عوامہ ۱/ ۵۳۸)

خلافتِ راشدہ کے دور میں کردار

حضرت صعبہؓ خلافتِ راشدہ کے دور تک زندہ رہیں۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے دوران اُن کی فکری و اخلاقی وابستگی واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ امام بخاری التاریخ الصغیر میں روایت کرتے ہیں: ''حضرت صعبہ بنت الحضرمیؓ نے حضرت طلحہؓ سے کہا: حضرت عثمانؓ کا محاصرہ سخت ہو چکا ہے، کاش تم بات کر کے یہ شدت کم کرا سکو'' (إن عثمان قد اشتد حصرہ، فلو کلمت فیہ یردعنہ''۔

(الصعبۃ بنت الحضرمی: ۶/ ۱۶۸، دار الفکر، بیروت)

(بقیہ صفحہ ۴۳ سے)

✷ حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد گرامی حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ رمضان میں دن بھر میں چلتے پھرتے پورا ختم فرما لیتے اور افطار کا وقت قریب ہوتا تو ان کی زبان پر قل اعوذ برب الناس ہوتی تھی۔

خواتین بھی اس عبادت میں مردوں سے کچھ پیچھے نہ تھیں، چنانچہ

✷ نواب عشرت علی خان قیصر کی والدہ محترمہ کو قرآن پاک کی تلاوت کا بے حد شغف تھا، ماہِ رمضان میں تین روز میں ایک قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا۔

✷ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کی والدہ محترمہ نے شادی کے بعد قرآن پاک حفظ کیا، رمضان میں روزانہ ایک قرآن اور مزید دس پارے پڑھ لیا کرتی تھیں، اس طرح ہر رمضان میں چالیس قرآن مجید ختم کیا کرتی تھیں۔

✷ حضرت شیخ الحدیثؒ کی صاحبزادیاں خانگی مصروفیات کے ساتھ دن میں روزانہ نصف قرآن کم از کم پڑھ لیا کرتی تھیں، اور شب کا اکثر حصہ حفاظِ قرآن سے کلام اللہ سننے میں گذارتی تھیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ماہِ مبارک رحمتوں سے فیض یاب فرمائے، اور قرآن عزیز سے مضبوط رشتہ قائم فرمادے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اصلاحی مضامین

شبِ برائت ۔۔۔۔ تحقیقی جائزہ

از: حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

شب براءت کے بارے میں تین قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض حضرات اس سلسلہ میں نہایت تشدد سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شب براءت کے سلسلہ کی سب روایتیں من گھڑت ہیں اور ان کی کوئی قیمت نہیں۔ جبکہ اکثر اکابر علماء اُس کے قائل ہیں کہ شب براءت کی روایتیں باوجود ضعف کے قابلِ عمل ہیں کیوں کہ ایک مضمون کی متعدد ضعیف روایتیں مل کر درجہ حسن کو پہونچ جاتی ہیں، اور فضائلِ اعمال میں وہ معتبر ہوتی ہیں۔ جبکہ تیسرا گروہ اس سے بالکل مختلف، من گھڑت رسوم ورواج اور بدعات کو اس رات کے ساتھ مخصوص کرتا ہے، ذیل میں شعبان کی مناسبت سے حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی اس سلسلہ کی اہم تقریر کو بعد تلخیص قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ جو اس قسم کے شکوک وشبہات میں مبتلاء حضرات کے لئے انشاء اللہ قولِ فیصل ثابت ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

آج شعبان کی پندرہویں رات ہے، اس رات کے بارے میں صاحبِ مشکوٰۃؒ نے پانچ روایات ذکر کی ہیں جو اس شب کی فضائل واحکام کو بیان کرتی ہیں۔

پہلی حدیث: ۔ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا، میں ان کی تلاش میں نکلی تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مدینہ کے قبرستان) بقیع میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ کیا تو یہ اندیشہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے بے انصافی کریں گے، یعنی تیری باری میں کسی اور کے پاس تشریف لے جائیں گے، میں نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ اپنی بیویوں میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے

،ارشادفرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف شب کوقریب کے آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں پس اتنے لوگوں کی بخشش فرمادیتے ہیں، جوتعداد میں بنوکلب کی بکریوں کے بال سے بھی زیادہ ہیں۔(ترمذی:739)

بنوکلب عرب کاایک قبیلہ تھا،وہ بکریاں پالنے میں مشہورتھا،اورتمام قبائل سے زیادہ اس کے پاس بکریاں ہوا کرتی تھیں ،تو بنوکلب کے قبیلے کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ بخشش فرماتے ہیں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسے ترمذیؒ اورابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے،اوررزین کی روایت میں ہے کہ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جودوزخ کے مستحق تھے،امام ترمذیؒ اس حدیث کوروایت کرکے کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بخاریؒ سے سنا کہ وہ اس حدیث کوکمزوراورضعیف قرار دیتے تھے۔

دوسری حدیث:۔یہ حدیث بھی حضرت عائشہؓ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایاتو جانتی ہے کہ یہ رات کیسی ہے؟ یعنی نصف شعبان کی رات؟ میں نے کہا یا رسول اللہ!(ﷺ)اس میں کیا ہوتا ہے؟فرمایا: اولادِآدم میں سے اس سال میں جوبچہ پیدا ہونے والا ہواس کا نام لکھ دیا جاتا ہے،اورسال بھر میں جتنے انسان مرنے والے ہوتے ہیں ان کا نام لکھ دیا جاتا ہے،اوراس میں بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں،اوراس رات میں بندوں کے رزق نازل کئے جاتے ہیں۔میں نے کہا یا رسول اللہ!(ﷺ)کیا کوئی شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا؟ارشادفرمایا کہ نہیں!کوئی شخص بھی جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا،تین مرتبہ فرمایا،میں نے کہا کہ یا رسول اللہ!(ﷺ)آپ بھی نہیں؟آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے سر پر رکھا اورفرمایا: و لا انا الا ان یتغمدنی اللہ بر حمتہ (یعنی میں بھی جنت میں داخل نہیں ہونگا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مجھ کوڈھانپ دے۔یہ بات بھی آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

(الدعوات الکبیر للبیہقی:باب القول والدعاء لیلۃ البراءۃ،۵۳۰)

تیسری حدیث:۔یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جھانکتے ہیں نصف شعبان کی رات میں،پس مغفرت فرمادیتے ہیں اپنی تمام مخلوق کی مگر مشرک کی یا کینہ رکھنے والے کی بخشش نہیں فرماتے۔یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔(ابن ماجہ:1390)

چوتھی حدیث:۔مسند احمد میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہےاوران کی روایت میں ہے''مگر دوآدمیوں کی بخشش نہیں فرماتے،ایک کینہ رکھنے والااوردوسرے قاتل نفس یعنی کسی دوسرے مسلمان کوقتل کرنے والا۔(مسند احمد:6642)

پانچویں حدیث:۔یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے،فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان آجائے تو تم اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس میں سورج کے غروب ہونے سے لے کر طلوعِ فجر تک قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا ہے کوئی استغفار کرنے والا، بخشش مانگنے والا، کہ میں اس کی بخشش کر دوں؟ کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں؟ کیا ہے کوئی کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت دوں؟ کیا ہے کوئی فلاں؟ کیا ہے کوئی فلاں؟ اللہ تعالیٰ برابر یہ ارشاد فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ یہ بھی ابن ماجہ کی روایت ہے۔ (ابن ماجہ:1388)

ان پانچ روایتوں میں ایک روایت تو ترمذیؒ کی ہے، جس کو خود امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے دو روایتیں ابنِ ماجہؒ کی ہیں۔ حدیث شریف کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں اور ان میں ابنِ ماجہ سب سے کمزور تر درجہ کی کتاب ہے۔ بعض علماء نے تو یہ اصول ہی وضع کر دیا کہ وہ روایت جو صرف ابنِ ماجہ میں ہو، باقی صحاح میں نہ ہو تو کمزور ہوتی ہے، تو دو روایتوں کا صرف ابنِ ماجہ میں ہونا ہی اسکے ضعیف ہونے کی کافی دلیل ہے۔ ایک روایت مسند احمد کی ہے اس کتاب میں صحیح احادیث بھی ہیں، مقبول حدیثیں بھی، اور کمزور بھی ہیں، اور ایک روایت امام بیہقی کی دعواتِ کبیر میں ہے۔ نصف شعبان کی فضیلت کی یہ روایتیں جو میں نے ذکر کی ہیں کمزور ہیں ۔ یہ تو مختصر حال ہوا ان روایتوں کا۔

اب علماء دو قسم کے ہیں بعض متشدد ہیں؛ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب روایتیں من گھڑت ہیں، ان کی کوئی قیمت ہی نہیں، یہ حضرات ضعیف روایتوں کو بھی من گھڑت قرار دے رہے ہیں، جب کہ اکثر اکابر اس کے قائل ہیں کہ چونکہ روایتیں ایک مضمون کی مختلف حضرات صحابہؓ سے مروی ہیں اس لئے ان کی فی الجملہ کچھ نہ کچھ اصل ہونی چاہیے، اور فضائل کی احادیث میں زیادہ تشدد نہیں کیا جاتا، احکام کی احادیث کو لینے میں تو علماء بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، سخت معیار پر ان کو جانچتے ہیں، لیکن جو روایتیں فضائلِ اعمال سے متعلق ہوں ان میں زیادہ شدت اختیار نہیں کرتے، تو چونکہ یہ روایتیں متعدد صحابہؓ سے مروی ہیں اور ان کا تعلق بھی فضائل سے ہے، اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کو فی الجملہ کسی نہ کسی درجہ میں قبول کر لینا چاہیے۔

ہمارے اکثر اکابر کی یہی رائے ہے، یہ تو روایتوں کے بارے میں گفتگو ہوئی اب اس شب کے جو فضائل ان روایات میں آئے ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں۔

اس شب میں فیصلوں کا نازل ہونا:-

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس رات میں تقدیریں نازل ہوتی ہیں، یعنی آئندہ سال میں جتنے بچے پیدا

ہونے والے ہیں ان کے ناموں کی فہرست جاری کردی جاتی ہے اور جتنے لوگ اس سال میں مرنے والے ہوتے ہیں ان کی فہرست جاری کردی جاتی ہے، لیکن اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ بعینہ یہی بات لیلۃ القدر کے بارے میں آتی ہے اور یہ روایتیں تو جیسا کہ آپ سن چکے ہیں، کمزور ہیں اور لیلۃ القدر میں فیصلوں کا نازل ہونا قرآن کریم میں آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: حٰمٓ (1) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (2) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ (3) فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (4) اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (سورہ الدخان) ترجمہ: حم ، قسم ہے اس واضح کتاب کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے، ہم آگاہ کرنیوالے تھے، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہوکر طے کیا جاتا ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سورۂ دخان کی ان ابتدائی آیات میں بابرکت رات کا ذکر ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا، اور فرمایا کہ اسی رات میں تمام حکمت والے کاموں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس ''بابرکت رات'' سے بعض حضرات نے شبِ قدر مراد لی ہے، اور حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور بعض حضرات نے ''شبِ براءت'' مراد لی ہے۔ تو بعض اکابر نے ان دونوں کے درمیان تطبیق دی ہے کہ فیصلوں کی تجویز تو ''شبِ برات'' میں ہوجاتی ہے اور یہ فیصلے شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمان میں جو فرشتوں کا صدر دفتر ہے وہاں ان کی نقول جاری کردی جاتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہی تطبیق ذکر فرمائی ہے تو اس تفسیر کے مطابق ایک تو اس شبِ براءت میں تقادیر جاری ہوتی ہیں، یعنی سال کے اندر پیدا ہونے والوں کی فہرست تجویز کردی جاتی ہے، سال کے اندر مرنے والوں کی فہرست تجویز کردی جاتی ہے۔

اعمال کا چڑھنا اور ارزاق کا نازل ہونا:-

اور ایک بات یہ فرمائی گئی کہ اس میں تقادیر نازل ہوتی ہیں کہ بندوں کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں اور رزق نازل ہوتے ہیں۔ رزق نازل ہونے کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو جتنا رزق ایک سال کے اندر ملنا ہے اس کی مقداریں اور تفصیلات تجویز کردی جاتی ہیں۔

رزق سے کیا مراد ہے:-

صرف روٹی پانی کو رزق نہیں کہتے، رزق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کو عطا کی جاتی ہے ہم جو سانس لے رہے ہیں یہ بھی رزق ہے، مثلاً اس سال میں فلاں آدمی اتنے سانس لے گا، اور سال بھر میں اس کے یہ اعمال آسمان پر جائیں گے، اچھے اعمال ہوں یا بُرے اعمال، لیکن بُرے اعمال پٹخ دیے جاتے ہیں، اور نیک اعمال جو رضاءِ الٰہی کے لیے کیے گئے ہوں وہ بارگاہِ رب العزت میں شرفِ قبولیت پاتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا نزول:-

اور پانچویں بات اس رات کے بارے میں یہ کہی گئی کہ حق تعالیٰ شانہ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں (جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے) اور بندوں کو نظرِ رحمت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اہلِ طاعت کی بخشش فرما دیتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ بنوکلب کی بکریوں کے بدن پر جتنے بال ہیں اتنے لوگوں کی بخشش فرما دیتے ہیں مراد کثرت کا بیان کرنا ہے، یعنی اتنے لوگوں کی بخشش فرماتے ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ قریب کے آسمان پر نزول فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں؟ ہے کوئی مبتلائے مصیبت و بیماری کہ میں اس کو عافیت دوں؟ ہے کوئی ایسا آدمی؟ ہے کوئی ایسا آدمی؟ اور یہ سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے، اس میں ترغیب ہے کہ یہ رات دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے، اس لئے اہلِ حاجت کو خوب خوب دعائیں مانگنا چاہیے۔ یہ تو اس رات کے فضائل ہیں۔

صیام وقیام کا حکم:-

حضرت علیؓ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ ’’قوموا لیلھا وصوموا نہارھا‘‘ ترجمہ: اس رات کو قیام کیا کرو اور اس کے دن کو روزہ رکھا کرو۔ یعنی پندرھویں شب میں اللہ کی عبادت کیا کرو اور پندرھویں تاریخ کا روزہ رکھو۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں جو علماء اس رات کی فضیلت کے قائل ہیں، اور اکثر ہمارے اکابر اس رات کی فضیلت کے فی الجملہ قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق اس رات میں قیام کرنا اور اس سے اگلے دن کا روزہ رکھنا بہتر اور مستحب ہے۔

کن لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی:-

تیسرا مضمون ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس رات میں فلاں فلاں آدمی کی بخشش نہیں ہوتی۔

گناہِ صغیرہ اور گناہِ کبیرہ:-

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں، صغیرہ اور کبیرہ یعنی کچھ تو چھوٹے گناہ ہیں جن کو صغیرہ گناہ کہتے ہیں اور کچھ بڑے گناہ ہیں جن کو گناہِ کبیرہ کہا جاتا ہے، کبیرہ گناہ وہ کہلاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے یا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کی وعید سنائی ہو یا اللہ کے غضب کی وعید سنائی ہو کہ جو شخص ایسا کرے گا اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے گا، اس پر اللہ کا قہر ہوگا، یا ان پر لعنت فرمائی ہو یا اس قسم کی کوئی اور وعید سنائی ہو تو

اس قسم کے گناہ، گناہِ کبیرہ کہلاتے ہیں۔اور جس کام کو پسند نہیں فرمایا،لیکن اس کے بارے میں کوئی وعید بھی نہیں سنائی ہو،ان کو گناہِ صغیرہ کہا جاتا ہے۔گناہِ کبیرہ کی معافی کے لئے یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے،معافی مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔اگر وہ چاہیں تو بغیر استغفار کے ویسے ہی معاف کریں،ان کو کوئی روکنے والا بھی نہیں،اللہ تعالیٰ پر کوئی پابندی تو نہیں ہے لیکن اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مجرم کو جو اپنی بدعملی اور اپنے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کے قہر اور اس کے غضب کا مستحق ہوا،اور اللہ کی لعنت کا مستحق ہوا اس کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔

چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت میں آپ نے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا کوئی ہے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کی بخشش کر دوں؟ معلوم ہوا کہ اس رات میں یہ جو مغفرت کا وعدہ آیا ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو بخشش مانگنے والے ہیں اور جو لوگ کہ بخشش مانگنے والے نہیں بلکہ عین اس شب میں بھی انہی جرائم کے مرتکب ہیں جن کی وجہ سے ان پر اللہ کا قہر اور غضب ہے اللہ کی لعنت ہے تو ظاہر ہے کہ پھر ان کی بخشش کا وعدہ نہیں تو اس سے ایک سبق تو ہمیں یہ ملا کہ ہمیں خوب ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی بخشش مانگنی چاہیے،تاکہ ہم بھی مغفرت کا دامن پکڑنے والے بن جائیں۔دوسری بات یہاں یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں سب کو بخش دیتے ہیں مگر چند آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی (۱) مشرک،(۲) مشاحن (مشاحن کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک بدعتی اور دوسرا کسی مسلمان سے کینہ رکھنے والا) (۳) کسی کو ناحق قتل کرنے والا۔اب اس بات کو آپ چاہیں تو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی بخشش اس رات میں معافی مانگنے کے باوجود نہیں ہوتی جب تک کہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کر لیں،اور اس گناہ کا تدارک نہ کر لیں مثال کے طور پر کوئی شخص مشرک اور کافر ہے مثلاً کوئی مرزائی ہے،جب تک کہ وہ اپنے اس گناہ سے تائب نہیں ہوتا اس کی بخشش نہیں،کافر اور مشرک کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔بدعت کے معنی یہ ہیں کہ دین کے نام پر ایسی چیزیں ایجاد کی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے،صحابہ کرامؓ سے اور سلف صالحین سے ثابت نہ ہوں،نہ صراحتاً اور نہ ائمہ اجتہاد سے استنباط وقیاس کے ذریعہ۔خواہ ایسی نئی عبادتیں ایجاد کر لی جائیں یا ایسی قیود اپنی طرف سے تراش لی جائیں جن کا شرع شریف میں ثبوت نہیں۔

بدعت کی دو قسمیں:-

کچھ بدعتیں اعتقادی ہوتی ہیں،کچھ عملی ہوتی ہیں،بدعتِ اعتقادی وہ تمام نظریات ہیں جو سلف صالحین اہلِ سنت کے خلاف ایجاد کر لئے جاتے ہیں،اور عملی بدعات وہ تمام اعمال ہیں جن کا ثبوت سلف صالحین سے نہیں،اور ان کو کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی:۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان نے کہا کہ اولادِ آدم نے میری کمر توڑ ڈالی اس لئے کہ میں بڑی محنت سے ان سے گناہ کرواتا ہوں، اور میرے کہنے پر کر بھی لیتے ہیں، مجھ ہی سے پوچھو کہ گناہ کرانے کیلئے مجھے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، مجھے ہزار جتن کر کے ان کو آمادہ گناہ کرنا پڑتا ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ گناہ کر کے فوراً اللہ تعالیٰ سے کہہ دیتے ہیں کہ یا اللہ! غلطی ہو گئی معاف کر دیجئے، ندامت کے ساتھ اللہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیتے ہیں، توبہ کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاؤ! بخش دیا، تو میری تو ساری کی کرائی محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ شیطان کو یہ ترکیب سوجھی کہ ان کو ایسی چیز میں مبتلا کیا جائے کہ وہ لوگ گناہ بھی کریں لیکن وہ اس گناہ کو اچھا سمجھ کر کریں اور اس سے توبہ نہ کریں اور وہ بدعت ہے۔ کہ لوگ اس کو کارِ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ بدعت اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسی مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے: ''**من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام**'' ترجمہ: جس نے کسی بدعتی کی عزت کی اس نے اسلام کے ڈھا دینے پر مدد کی۔

اور بدعت کے اتنا گندہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دین اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا صحابہؓ نے اس پر عمل کیا، ائمہ مجتہدین نے اس کو سمجھ کر بیان کیا، ایک ایسا عمل دین کے نام پر ایجاد کرنا اور اس کو کارِ ثواب سمجھنا جس کو اللہ نے نازل نہیں کیا، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعلیم نہیں دی، صحابہؓ نے اس پر عمل نہیں کیا اور ائمہ فقہاء نے اس کو نہیں سمجھا، دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ گویا **نعوذ باللہ**۔۔۔۔ بدعتی شخص سب سے زیادہ عقلمند نکلا، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی (**نعوذ باللہ**) صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ سے بھی، کہ وہ تو دین کو نہیں سمجھے اور اس نے سمجھ لیا، ایک چیز کو اپنے پاس سے گھڑ کر اس کو دینِ خداوندی کہنا یہ اللہ پر بہتان باندھنا ہے اور بدعتی جو بدعت گھڑ کر لوگوں میں رائج کرتا ہے وہ دراصل مفتری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے، اب معلوم ہوا ہوگا کہ بدعت اتنا بڑا گناہ کیوں؟ کئی سال ہوئے علامہ شاہ تراب الحق قادری کے ساتھ قبروں پر پھول ڈالنے کے مسئلہ میں تحریری بحث چلی تھی جو میری کتاب اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم کے آخر میں بطور ضمیمہ کے شامل ہے اور '' آپ کے مسائل اور ان کا حل'' پہلی جلد میں بھی یہ پوری بحث آ گئی ہے، میں نے ان کی تحریر کے جواب میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قبریں بھی موجود تھیں، انبیاء کرام کی قبریں بھی تھیں، صحابہ کرامؓ شہید بھی ہوئے، دفن بھی ہوئے اس وقت پھول بھی موجود تھے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قبر پر پھول چڑھایا؟ پھر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں بھی پھول ہوتے تھے قبریں بھی ہوتی تھیں کیا کسی صحابیؓ نے کسی تابعیؒ نے کسی امامؒ نے قبروں پر پھول چڑھائے؟ اگر تم اس کو کارِ ثواب

سمجھ کر بزرگوں کی مزاروں پر چڑھاؤ گے تو یہی دین میں اضافہ ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دینا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ کام کرنا چاہیے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا، یا تو آپ ﷺ اس کو لغو سمجھتے تھے اور تم اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہو یا یہ کہ آپ ﷺ کو اور بڑے بڑے کام تھے اس لئے آپ ﷺ نے یہ کام نہیں کیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب ہستی تو اس دنیا میں پیدا نہیں ہوئی، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بڑا کوئی عاشق پیدا نہیں ہوا ہوگا، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اور تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر پھول چڑھائے ہوتے؟

الغرض قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین کی سنت تو نہیں، ہاں! انگریز بہادر نے یہ رسومات ضرور جاری کی ہیں کہ ان کے جو قومی مقتدا ہیں ان کو وہ قومی ہیرو کہتے ہیں یا جو کچھ بھی کہتے ہوں گے انکی قبروں پر پھول کی چادر چڑھائی جاتی ہے، ہمارے یہاں قائدِ اعظم کی قبر پر بھی پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے، اندر پتہ نہیں کیا ہے، مولانا رومی کے بقول ؎

از بروں چو گور کافر پر حلل
و اندروں قہرِ خدائے عزوجل

ترجمہ: ”اوپر سے کافر کی قبر کی طرح حلے چڑھے ہوتے ہیں چادریں چڑھی ہوتی ہیں اور اندر اللہ تعالیٰ کا قہر ہے“۔ نہرو اندرا گاندھی اور شاستری کی قبروں پر بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان لوگوں کی قبروں کے اوپر سے تو چادریں چڑھائی جاتی ہیں لیکن اندر خدا کا قہر ہے۔ میں آفریقہ میں تھا جس دن اندرا گاندھی کو قتل کیا گیا اور اس کی لاش جلائی گئی تھی، ایسے میں زبردستی دوست ٹی وی پر لے گئے، اللہ مجھے معاف کرے، میں نے کہا کہ کوئی جاندار کی تصویر تو نہیں ہے، چلو عبرت کے لئے ایک ہندو کافرہ کے جلانے کا تماشا دیکھ لیتے ہیں، اندرا گاندھی کو میں نے جلتے ہوئے دیکھا، پتہ نہیں کتنے من خالص گھی تھا، جو آدمیوں کو کھانے کے لئے نہیں ملتا جس میں اس کو جلایا گیا، وہ جیسے ظاہر میں جل رہی تھی ویسے ہی اندر سے بھی جل رہی تھی اور جب اس کی مڑھی بنادی گئی تو اس پر پھولوں کی چادریں چڑھائی گئیں، حالانکہ اندر آگ ہی آگ ہے۔

یہاں بھی ہمارے دوستوں نے یہ اصول تجویز کرلیا ہے کہ کوئی پکی قبر بنادے تو اس پر چادریں چڑھنی شروع ہوجاتی ہیں، پھول چڑھاؤ، چادریں چڑھاؤ، اگر کوئی شخص گدھے کو دفن کر کے اس کی پکی قبر بنادے اور اس پر جھنڈا لگادے تو ایک سال کے بعد اس پر بھی چادریں چڑھنے لگیں گی۔ تم میرے سامنے یہ کام کر کے دکھاؤ، ایک سال کے بعد تم کو چادریں چڑھتی ہوئی دکھاؤں گا، کسی گدھے کا کتے کا ”روضہ شریف“ اور اوپر لکھ دو ”دربارِ

پیر خر شاہ صاحب''،'' پیر کلب شاہ صاحب''بس لوگ اس پر نذریں نیازیں، پھول اور چادریں چڑھانے لگیں گے، اور یہ میں فرضی بات نہیں کر رہا، اس کے دسیوں واقعات موجود ہیں۔ اللہ کے بندو! کیا اس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے تھے؟ اور کیا یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دین تھا؟ تم جو بارہ ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس کی شبیہیں بناتے ہو، خانہ کعبہ کی شبیہیں بناتے ہو کیا یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تھا؟ شیعہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا تعزیہ بنایا کرتے ہیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنانا شروع کر دیا،''اناللہ وانا الیہ راجعون'' اور یہ جو بارہ ربیع الاول کے جلوس اور جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں یہ دین سمجھ کر کرتے ہیں یا بے دینی سمجھ کر؟ ظاہر ہے کہ اس کو دین سمجھ کر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں، بس اس کو بدعت کہتے ہیں، تقرب الی اللہ کا وہ ذریعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بتایا تو اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہو، پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شک ہے؟ عقیدہ بنالیا گیا ہے کہ گیارہویں کے دن روٹی دو گے یا کھیر کھلاؤ گے تو قرب حاصل ہوگا، بارہویں کو دو گے یہ قرب حاصل نہ ہوگا، گیارہویں کے بغیر تمہارے عقیدے میں بات ہی نہیں بنتی، تیسرے دن میت کا کھانا کھلاؤ گے یا ساتویں دن یا نویں دن یا بیسویں دن یا چالیسویں دن یا برسی کے موقع پر، کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تھی؟ صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا تھا؟ یا ائمہ فقہاء نے جو دین کو سمجھا اس میں کہیں ان تاریخوں کو نقل کیا ہے؟ اب یہ تو دوسرا موضوع چل پڑے گا۔

خلاصہ یہ ہیکہ بدعتی کو کبھی توفیق نہیں ہوتی توبہ کرنے کی، بلکہ اگر منع کرو تو کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ پھر ہوائی جہاز پر بھی نہ سوار ہوا کرو، یہ بھی بدعت ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا، میرے بھائی! کیا ہوائی جہاز پر سوار ہونا بدعت ہے؟ کیا ہم اس کو عبادت سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ہوائی جہاز کی سواری کو بذاتِ خود کوئی شخص بھی عبادت یا نیکی کا کام نہیں سمجھتا، ہاں! بیت اللہ شریف پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ''(سورۂ آل عمران:۹۷) ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

پس مقصود بیت اللہ تک پہونچنا ہے خواہ بیت اللہ تک پہونچنے کا جو راستہ مل جائے، گدھے پر مل جائے، گھوڑے پر مل جائے، کشتی پر مل جائے، ہوائی جہاز پر مل جائے، موٹر پر مل جائے، اللہ تعالیٰ نے کسی راستے کی تعیین تو نہیں کی تھی اور نہ ہم سمجھتے ہیں کہ سفینہ حجاز میں بیٹھنا ثواب کا کام ہے تو یہ کٹ حجتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اپنی بدعت کا جواز پیدا کرنے کے لئے اس قسم کی فضول باتیں کرتے ہیں لیکن خیر ہمارے سامنے یہ کٹ حجتی کرلو! مگر

یادرکھو کہ کل اللہ کے سامنے یہ کٹ حجتیاں نہیں چلیں گی، جواب دہی توتمہیں اللہ کے سامنے کرنی ہے، ہمارے سامنے نہیں کرنی، ہم محاسب نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ''وَمَا جَعَلۡنَاكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيظًاۖ وَمَا أَنتَ عَلَيۡهِم بِوَكِيلٍ'' (الانعام: ۱۰۷) ترجمہ: ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا، اور نہ آپ ان کے مختار ہیں۔

غرض یہ کہ بدعت ایسی بری بلاء ہے کہ بدعتی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، لیکن اس کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، ندامت ہی نہیں ہوتی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق نصیب فرمائیں اور سنت کا نور اس کے قلب پر القا فرمادیں تو ہوسکتا ہے کہ اپنی بدعت سے تائب ہونے کی توفیق ہوجائے تو جب وہ توبہ ہی نہیں کرتا تو بخشش کیوں ہو؟

کینہ رکھنے والا:۔

تیسرا اور چوتھا آدمی مشاحن یعنی کینہ پرور، جو اپنے مسلمان بھائی سے کینہ رکھتا ہے، اس کی بخشش نہیں ہوتی، اور یہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جن دو آدمیوں کے درمیان بغض ولڑائی ہو، بات چیت، سلام کلام بند ہو، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ان کو چھوڑ دو، جب تک کہ یہ آپس کا معاملہ طے نہیں کر لیتے ہم ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ ان کی بخشش کا بھی فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور بہت موٹی بات ہے کہ جو شخص اس دنیا کی ایک ذلیل سی چیز اپنے بھائی کو نہیں بخش سکتا وہ کس منہ سے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب بن کے آتا ہے؟ بھئی! اگر تم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہو تو تم بھی اپنے قصور واروں کو معاف کر دو، بھئی! تم نے اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے بڑے جرائم کئے ہیں، اور کسی مخلوق نے تو ہمارا بہت ہی چھوٹا قصور کیا ہوگا، ہم اسکا چھوٹا گناہ معاف نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ ہمارے گناہِ کبیرہ بخش دے، ہمیں دوزخ سے رہائی دے، پس جو شخص عین اس حالت میں کہ اپنے بھائی سے کینہ رکھنے والا ہو اس رات میں بھی اس کی بخشش نہیں ہوتی، جب تک کہ اپنے کینہ سے توبہ نہ کر لے۔

قاتل کی بخشش نہیں ہوتی:۔

اور قاتل کا گناہ ایسا ہے کہ اسکا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی نظر میں کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسکی سزا دائمی جہنم بیان فرمائی: ''وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا'' (النساء: ۹۳) ترجمہ: اور جو قتل کرے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا غضب

ٹوٹ پڑا اس پر اور اللہ کی لعنت برسی اس پر اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے“۔

ذرا زورِ کلام دیکھئے! جہنم میں جھونک دیا اور اس پر ہمیشگی کی مہر بھی لگا دی، لیکن اس پر بس نہیں کی، اللہ کا غضب ٹوٹا اس پر اور اللہ کی لعنت برسی اس پر اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ شخص جب تک کہ صاحبِ معاملہ سے معافی نہیں مانگتا اس کی بخشش کیسے ہوگی؟ اور علماء فرماتے ہیں کہ حقوق العباد کی یہی شان ہے، کسی بندے کے جو حقوق تلف کئے ہوں اللہ تعالیٰ ان کی بخشش نہیں فرماتے جب تک کہ بندوں سے معافی نہ مانگ لے یا بندوں کے حقوق ادا نہ کر دے۔ مشہور حدیث ہے کہ: ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر میں اللہ کے راستے میں جہاد میں قتل ہو جاؤں اس حالت میں کہ آگے بڑھنے بالا تھا پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا کیا میری بخشش ہو جائیگی؟ فرمایا ہاں بخشش ہو جائیگی۔ شہید کی تو پہلے قطرے پر ہو جاتی ہے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ان السیف محاء للخطایا“ (مشکوٰۃ ص: ۳۳۵) ترجمہ: تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونے سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں، اسی لئے شہید کو غسل نہیں دیتے اس کو کیا غسل دیں، یہ تو پہلے ہی پاک ہو چکا ہے؟ ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہو گیا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شہادت نصیب فرمائے، تو فرمایا ہاں! گناہ معاف ہو جائیں گے وہ صاحب اٹھ کر جانے لگے ابھی دروازے تک پہونچے ہی تھے فرمایا: ان کو بلاؤ وہ واپس آئے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے کیا پوچھا تھا؟ ذرا اپنا سوال دہراؤ، عرض کیا ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اگر میں قتل ہو جاؤں اللہ کے راستے میں اس حال میں کہ آگے بڑھنے والا تھا پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا تو کیا میری بخشش ہو جائیگی؟ ارشاد فرمایا کہ جی ہاں! مگر ایک استثناء ہے کہ پرایا حق معاف نہیں ہوگا جبرئیل علیہ السلام نے ابھی آکر یہ مسئلہ بتایا ہے۔

تو جس طرح کہ قاتل کی گردن میں ایک مظلوم کا خون ہے جب تک کہ وہ معاف نہ کر دے خون معاف نہیں ہوگا، اسی طرح وہ تمام لوگ جنہوں نے دوسروں کا حق مارا ہے، خواہ وہ آبرو سے متعلق ہو، یا جان سے متعلق، مثلاً کسی کو زخم پہونچایا، کسی کو گالی دی، کسی کی غیبت کی، کسی کو ستایا، کسی کا مال کھایا، کسی پر ڈاکہ زنی کی تو جب تک صاحبِ حق معاف نہیں کر دے گا یہ لوگ پکڑے رہیں گے، پس حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت ہے، اور کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دینا تو اتنا بڑا گناہ ہیکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دائمی دوزخ کی وعید سنائی ہے، اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کفر و شرک کے سوا جتنے گناہ ہیں ان پر دائمی جہنم کی سزا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں کہ اگر چاہیں تو بغیر سزا کے معاف فرما دیں، اور اگر چاہیں تو گناہ پر مناسب سزا دینے کے بعد معاف فرما دیں (اللہ تعالیٰ

ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں) اسلئے اہل سنت اس آیت کی تاویل کرتے ہیں جس میں قاتل کی سزا "خالدافیھا" بیان فرمائی کہ اس خلود سے مراد بہت دیر تک ٹھیرنا ہے، بالاخر اس کو بھی معافی ہوجائیگی۔

شب براءت کی بدعات

آتش بازی:۔ اب آخر میں چند بدعات کا تذکرہ کرتا ہوں جو اس رات میں ایجاد کی گئی ہیں ان میں سب سے بدترین بدعت تو آتش بازی ہے جو مجوسیوں کی نقل ہے، ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ قبرستان میں آگ لے جانا بھی ممنوع ہے کیونکہ آگ ہی قہرِ الٰہی کا نشان ہے، اس کو قبرستان میں نہیں لے جانا چاہیے۔تو اس آگ کے ساتھ کھیلنا یہ اسلام کا کام نہیں ہے، یہ مجوسیوں کا فعل ہے، میں نے بہت پڑھا بھی ہے سوچا بھی ہے لیکن مجھے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ مجوسیوں کا فعل ہم مسلمانوں میں کہاں سے آگیا، بہرحال حدیث میں ہے" من تشبه بقوم فھو منھم "جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ یہ فعل مجوسیوں کا ہے مسلمان لڑکے آتش بازی کر کے مجوسیوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظِ شرفیہ میں ہے کہ ہندوؤں کی ہولی تھی تو ایک مسلمان جارہا تھا پان کھاتے ہوئے، اس نے گدھے پر پیک پھینک دی کہ تجھے کسی نے نہیں رنگا، اسی میں پکڑلیا گیا کہ تو نے ہندوؤں کی مشابہت کی تھی۔اس رات دن رنگ سے کھیلنا یہ ہندوؤں کی مذہبی رسم تھی تو نے بطورِ مذاق کے ان کی مشابہت کی، یہ تشبیہ کا مسئلہ بڑا خطرناک ہے کسی قوم کی مشابہت کرنا تو بدترین، قبیح ترین بدعت ہے، اللہ کرے کہ مسلمانوں میں یہ آتش بازی کی رسم نہ رہے، ہر سال اس سے جانی و مالی نقصان بھی ہوتے ہیں لیکن نہ جانے مسلمانوں کو عقل کیوں نہیں آتی؟ دین بھی گیا، ایمان بھی گیا، جان بھی گئی۔

حلوہ شریف:۔ ایک بدعت اس دن کی حلوہ شریف ہے، یہ تو میرے جیسے کسی ملا نے ایجاد کیا ہوگا، اور ایسا ایجاد کیا کہ اس دن مسلمانوں کے گھر گھر حلوہ پکتا ہے، اور ایک دوسرے کو تحفہ دیتے ہیں، رات ایک خاتون فون پر مجھ سے ایک مسئلہ پوچھ رہی تھیں کہ حلوہ اگر آجائے تو کیا کریں؟ کھانا حلال ہے یا حرام؟ میں نے کہا میں حرام تو نہیں کہوں گا، حلال چیز کو حرام کیوں کہوں؟ باقی یہ دیکھ لو کہ یہ حرام مال سے پکا ہے کہ حلال مال سے؟؟ بینک کے سود سے پکایا جارہا ہے یا پرائز بانڈ سے پکایا جارہا ہے، رشوت کے پیسے سے پکایا جارہا ہے، دھوکہ اور فریب کی رقم سے حلوہ شریف بنایا جارہا ہے، اس کو تو تم بھی حلال نہیں کہوگے میں بھی نہیں کہوں گا۔

بات یہ ہورہی تھی کہ اس رات کو لوگ حلوہ پکاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بھائی میں نے تمہارے

سامنے ساری حدیثیں پڑھ دیں، جو کوئی لائقِ توجہ ہے وہ پڑھ دی ہیں، ان میں کہیں حلوے کا ذکر آیا ہے؟ یہ محض فضول حرکت ہے اور اس کو اگر تم تہوار سمجھ کر کرتے ہو تو پھر یہ بدعت ہے، لایعنی بدعت ہے، اور اگر تم اس کو مسلمانوں کا قومی دن سمجھ کر کرتے ہو تو بھی بدعت ہے۔ کیوں کہ یہ مسلمانوں کا قومی دن نہیں ہے۔

چراغاں کرنا:۔ اور ایک بدعت یہ ہے کہ ان راتوں میں چراغاں کیا جاتا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس کا منشاء وہی ہے کہ اس دن کو قومی تہوار بنالیا، ایک خاتون مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ اس دن نئے کپڑے پہننا کیسا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ لوگ نئے کپڑے پہنتے ہیں میں تو کہتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم کو ہر دن نیا کپڑا عطا کردیا کرے ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برأت، لیکن خاص طور سے پندرھویں کو نئے کپڑے پہننا یہ خالص بدعت ہے، اور ایک بدعت قبرستان میں چراغاں کرنے کی ہے اللہ اکبر! شہرِ خموشاں کو آباد کیا جارہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تذکرۃ الآخرۃ (مشکوٰۃ ص:۱۵۴) ترجمہ: میں تم لوگوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا کرتا تھا لیکن اب وہ حکم واپس لیتا ہوں سنو! قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

وہاں چراغاں کرنا، لہو ولعب کرنا، بے ہودہ بات ہے اور خصوصیت کے ساتھ بدعت ہے۔ مردوں اور عورتوں کا بھڑکیلے اور بہترین کپڑے پہن کر وہاں جانا، میں کبھی نہیں گیا لیکن میں نے سنا ہے کہ لوگ جاتے ہیں اور مستورات بھی جاتی ہیں، اب ان کو مستورات تو نہیں کہنا چاہیے۔ مستور چھپی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، یہ خود ہی مکشوفات ہوگئیں ہیں؟ کھل گئی ہیں، بہرکیف مردوں اور عورتوں کا قبرستان میں جمع ہونا اور ایک جشن کے انداز میں اور عریاں لباس پہن کر اور بھڑکیلا لباس پہن کر بے پردہ ہوجانا، لعنت در لعنت در لعنت، خدا ان کو ہدایت دے۔ (آمین) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کا حکم دیا تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو، عورتوں کا قبرستانوں میں جانا جائز ہے یا نہیں اسمیں علماء کا اختلاف واقع ہوا ہے کیونکہ اجازت تو دے دی قبرستان میں جانے کی لیکن مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے ''ان رسول اللہ ﷺ لعن زاورات القبور'' (مشکوٰۃ ص:۱۵۴) ترجمہ: اللہ کی لعنت ہو قبروں پر زیارت کے لئے جانے والی عورتوں پر۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

گوشۂ رمضان

دستِ طلب بڑھاؤ کہ رمضان آگیا

از: مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی*

جس طرح موسم بہار میں درختوں کی شادابی قابل دید ہوتی ہے، خوش رنگ پرندوں کی چہچہاہٹ کانوں میں رس گھولتی اور ذوق سماعت کو آسودگی بخشتی ہے، کھیتوں کی از کراں تا کراں پھیلی ہوئی ہریالی نگاہوں کو دعوت نظارہ دیتی اور آنکھوں کو سرور عطا کرتی ہے اور جس طرح ایک عرصے سے بنجر پڑی ہوئی زمین میں یک لخت زندگی کے آثار رونما ہونے لگتے ہیں، بالکل اسی طرح سال کے بارہ مہینوں میں رمضان المبارک کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ روحوں کی شگفتگی وشادابی کے ہزار سامان لے کر آتا ہے، اس مہینے میں قلوب کی تنویر اور اذہان کی تطہیر ہوتی ہے اعمال کی اصلاح اور نیتوں کے اخلاص کا اس سے زیادہ سازگار موسم کوئی نہیں ہوسکتا، یہ اسی مہینے کا خاصہ ہے کہ اس میں خیر وفلاح کے تمام ابواب کھل جاتے اور شر وفساد کے تمام دروں کو مقفل کر دیا جاتا ہے، نیک اعمال کے اجر وثواب میں بے پایاں اضافہ کر دیا جاتا اور بارگاہ رب العالمین سے ہر لمحہ غفران ورضامندی کا عام اعلان ہوتا رہتا ہے، جو صالحین میں مزید طاعت وعبادت کا جذبہ پیدا کرتا اور شر پسندوں میں انابت الی اللہ کی خو پیدا کرتا ہے؛ چنانچہ اس مہینے میں مسجدیں بہ کثرت معمور رہتیں، اکثر و بیشتر لوگ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اور زیادہ سے زیادہ امور خیر کی انجام دہی میں اپنی بخت آوری سمجھتے ہیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ ذاتِ حق جل مجدہ کی جانب سے عطا کردہ عظیم نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے؛ یہ روحانیت اور نیکیوں کے موسم بہار کا مہینہ ہے اس میں گناہ جھڑتے اور خیر وبھلائی کی تازہ کونپلیں پھوٹتی ہیں، مغفرت کی ہوائیں چلتی اور رحمت کی پھوار برستی ہے، نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کرائی جاتی ہے اور روحانی آلائشوں کی صفائی ہوتی ہے، بھلائی کی قوت اور استعداد منجھ کر نکھرتی ہے، یہ آخرت کی کمائی اور نیکیاں سمیٹنے کا خاص سیزن ہوتا ہے، نوافل پر فرض کا اجر ملتا ہے اور فرض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس عظیم مہینہ کو "سید الشہور" یعنی تمام مہینوں کا سردار کہا جاتا ہے۔ ماہ رمضان کو اللہ کے کلام سے خاص مناسبت

ہے، تمام آسمانی کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئیں، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ صحائف ابراہیمی پہلی رمضان، تورات چھ رمضان، انجیل تیرہ رمضان، زبور بارہ رمضان اور قرآن کریم چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ قرآن کریم کی مشک بو تلاوت صرف عالم اسلام ہی نہیں، ساری دنیا میں گونجنے لگتی ہے، کیا دشت و کہسار اور کیا شہر و دیہات.... اللہ کے مقدس کلام کی خوشبو سے ساری کائنات معطر رہنے لگتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے، صبر سے مراد نفسانی خواہشات کو دبانا اور بھوک و پیاس کی مشقت کو برداشت کرنا ہے۔ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک مومنین مخصوص صبر کے یہ مراحل طے کرتے ہیں۔ خود انسان بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کرتا ہے، تب مستقل فاقہ کرنے والوں کے درد کا احساس جاگتا ہے، ضعیفوں کی بے بسی اور محتاجوں کے غم کی کسک محسوس ہونے لگتی ہے، یوں ہمدردی اور غم خواری کا اخلاقی وصف دلوں میں پیدا اور بیدار ہوجاتا ہے، اس لیے اسے غم خواری کا مہینہ کہا گیا، اس ماہ مبارک کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ آتش دوزخ سے خلاصی کا ہے۔

مزید برآں اسی ماہ میں ان گنت برکتوں اور بے شمار رحمتوں کی حامل رات ”لیلۃ القدر“ آتی ہے، جس کی فضیلت و اہمیت سے متعلق قرآن کریم میں پوری ایک سورہ نازل ہوئی اور جسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا۔ ہزار مہینوں میں تقریباً تیس ہزار راتیں اور تراسی سال آتے ہیں۔ بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت پر فائق ہے، اس میں قرب الٰہی کی جتنی منزلیں طے ہوسکتی ہیں، دوسری ہزار راتوں میں بھی طے نہیں ہوسکتی، اس قدر و منزلت اور برکت و عظمت والی رات کی تاریخ کی تعیین نہیں کی گئی لیکن اکثر روایتوں میں ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ کی کوئی رات ہے اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری حصے کی طاق راتوں میں تلاش کرو یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں رات میں سے کوئی لیلۃ القدر ہوسکتی ہے۔

یہ دریائے رحمت کے جوش اور انوار و برکات کے شباب کا عشرہ ہوتا ہے، اسی میں اعتکاف سنت پر عمل ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویسے تو سارے رمضان میں سراپا بندگی اور محو عبادت و تلاوت رہتے لیکن آخری عشرے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں... ”شد مئزرہ و احیالیلہ و ایقظ اھلہ“ ...آپ کمر کس لیتے، اپنی راتیں زندہ کرتے اور گھر والوں کو بھی (عبادت اور رحمتیں سمیٹنے کے لیے) جگاتے۔ یہی وہ مہینہ

ہے جس میں ہر رات اللہ کا منادی پکارتا ہے...."یا باغي الخير اقبل و یا باغي الشر اقصر "...اے خیر و نیکی کے متلاشی ! آگے بڑھ اور اے شر و بدی کے خواہش مند! رک جا...اس ماہ بڑے بڑے، شیاطین کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے اور یوں نفسانی حربوں کی اندھیر نگری میں سچی حقیقتیں آشکارا ہوتی ہیں اور نفس کو پچھاڑنا آسان ہو جاتا ہے، اس ماہ کے اعمال، اس کی روحانیت، اس کا پرنور ماحول اور اس کی بابرکت فضا تقوی اور باطنی پاکیزگی کی مسافتیں طے کرانے میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہے، اس کے لمحے دنوں پر اور اس کے دن برسوں پر بھاری ہیں، قرآن کریم نے "لعلکم تتقون "....(شاید تم پرہیز گار بن جاؤ)....کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لفظ تقویٰ ایک شرعی اصطلاح ہے اور اپنے جلو میں معانی و مفاہیم کی وسیع تر کائنات رکھتا ہے مختصر تعبیر میں اس کی تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ بندے کا ہر مامور بہ کو بلا چوں و چرا بجالانا اور ہر منہی عنہ سے اجتناب کرنا، گویا اللہ نے رمضان کے روزے کو اس لیے فرض کیا ہے کہ بندہ امور خیر کی انجام دہی کا عادی ہو جائے اور امور شر سے نفرت اس کے قلب و دماغ میں جاگزیں ہو جائے، اسی طرح شہوانی وحیوانی قوتوں کو مغلوب کر کے اپنے اندر ملکوتی اوصاف پیدا کر لے اور انھیں نمایاں کرنے کی تگ و دو اس کا لازمہ حیات بن جائے۔

آج عالم اسلام کے رستے زخموں کا ایک سبب عام مسلمان کا گناہوں میں غرق ہونا اور اللہ کی نافرمانیوں کی دلدل میں پھنسنا بھی ہے، مسلمان اگر صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں، ان کی زندگیوں میں اسلامی اعمال کا نور آ جائے، وہ ایمان کے عملی تقاضوں کو واقعتا پورا کرنا شروع کر دیں اور وہ غفلت کے اندھیروں میں اسوۂ نبویہ کے موافق عمل صالح کا چراغ روشن کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ صنعت و معیشت اور قلت عدد و عدد (بضم العین) کے باوجود زوال و انحطاط کی پستیوں سے نہ نکل سکیں، انہیں ان کا کھویا ہوا مقام مل سکتا ہے، ان کا خوف امن سے، ان کی مرعوبیت رعب سے اور ان کا زوال و ادبار، ترقی و اقبال سے بدل سکتا ہے کہ یہ قرآنی وعدہ ہے اور قرآن کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

ماہ مبارک میں رحمت الٰہی کو انتظار رہتا ہے کہ کسی عاصی کسی نافرمان اور کسی بھی روسیاہ ظالم کی زبان سے بخشش کا نالہ بلند ہو، دل سے آہ اٹھے تو اس کا دامن مرادوں سے بھر دیا جائے اور اسے مغفورین بندوں کی فہرست میں شامل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "الصوم لی و انا اجزی به" "بندہ میرے لیے روزہ رکھتا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا"۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس چیز کا صلہ اور بدلہ خود ذات حق جل مجدہ اپنی جانب سے بطور وعدہ فرما رہے ہیں یوں تو تمام چیزوں کا صلہ اور بدلہ اللہ ہی دیں گے لیکن اس

رمضان المبارک کے روزہ کے سلسلہ میں اللہ نے خود فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کو اپنی جانب سے جزا اور بدلہ دونگا. یہ ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ رمضان المبارک جیسا مبارک مہینہ ہزاروں بہاروں کو لیے ہوئے ہمیں اور آپ کو میسر ہوا ہے. اگر کوئی بےنوا اس ماہ بھی معاصی سے باز نہ آئے، رحمتوں کی یہ فصل بہار اس کے دامن میں اجالا نہ کر سکے اور ان بابرکت ایام میں بھی وہ اپنے کرتوتوں کی سیاہ روش تیاگنے پر تیار نہ ہو۔ ماہ مبارک گزر جائے لیکن رحمت کے دامن سے چمٹ کر وہ اپنے لیے مغفرت کا پروانہ حاصل نہ کر سکے تو افسوس ہے ایسے شخص کی بدبختی اور شقاوت پر حضرت جبریل علیہ السلام نے ایسے نامراد کی تباہی اور بربادی کی بددعا فرمائی اور زبان رسالت نے اس پر آمین کہا۔

اہل دل اس ماہ کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرتے ہیں، ان کے لیل ونہار میں آہیں سنائی دیتی ہے اور ان کے اشک ندامت، دل کی کدورتوں کو بہاتے دکھائی دیتے ہیں، امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ماہ رمضان میں ٦١ قرآن کریم ختم کرنے کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ساٹھ بار ختم کرنے کا معمول تھا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تیس مرتبہ ختم کرتے تھے اور روزانہ دس پندرہ پارے پڑھنا تو عام معمول رہا ہے کہ رمضان نزول قرآن کی سالگرہ اور کلام الٰہی کے جشن عام کا مہینہ ہے۔ بلاشبہ مومن کے لیے اس ماہ کا ہر روز، روز عید اور ہر شب، شب قدر ہے، کیا ہے کوئی قدردان؟

اللہ کرے کہ یہ مقدس ساعتیں بار بار میسر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک کو ہم سب کیلئے خیر کا ذریعہ بنائے، اور اس مبارک مہینہ کے صدقے اہل فلسطین واہل غزہ کی غیبی مدد ونصرت فرمائے اور انہیں فتح مبین وظفر کامل سے ہمکنار فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

گوشۂ رمضان

ماہِ رمضان ماہِ قرآن

مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ، امتِ مسلمہ کا دستورِ حیات اور انسانی منشور ہے، اس عظیم کلامِ پاک کو ماہِ مبارک سے خصوصی نسبت اور تعلق ہے، بلکہ منقول ہے کہ گذشتہ آسمانی کتب کا نزول بھی اسی بابرکت مہینہ میں ہوا، اور قرآن عظیم ـــــ جسے دوسرے کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے خالق تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر ـــــ کا یکبارگی نزول بھی اسی ماہِ مقدس کی عظیم الخیر شب یعنی لیلۃ القدر میں ہوا، حق تعالیٰ نے ماہِ رمضان کا ذکر اپنے کلامِ مجید کے ساتھ کچھ اس انداز میں بیان فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کی عظمت میں چار چاند قرآن پاک ہی سے لگے ہیں، شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ یعنی رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ کلامِ ربانی عظمتوں کے جلو میں اس زمین پر اُترا، غور کیجئے کہ تخلیقِ کائنات سے ہزار برس قبل باری تعالیٰ نے خود اُسے پڑھا، آسمان سے سید الملائکۃ جبرئیل امین علیہ السلام لے کر آئے، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر القاء کیا گیا، حرمین شریفین جیسے باوقار مقامات اور اُن کی پُرنور فضاؤں میں اس کا نزول ہوا، بلکہ جس شئی کو بھی کلامِ الٰہی سے ادنیٰ تعلق ہوا اُسے عظمت وتقدس حاصل ہوگیا۔

چناں چہ کلامِ ربانی پر ایمان لانا عقائدِ اسلام کا حصہ ہے، اس کی تلاوت ایمان کی پختگی کا سبب ہے، اس کی تعلیم وتعلم اور افہام وتفہیم بہترین عمل ہے، اُسے قلوب میں محفوظ کرنا رفع درجات اور رضائے الٰہی کا وسیلہ ہے، اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے، جسمانی وروحانی مریضوں کے لئے شفاء ہے، گم راہوں کے لئے ہدایت نامہ ہے منکرین کے لئے حجتِ قاطعہ ہے، متقین ومؤمنین کے لئے شفیع ہے۔ غرض یہ کہ قرآن کریم بے مثال اور لازوال کتاب ہے۔ اس لئے امتِ مسلمہ کو چاہیئے کہ اپنا رشتہ کلامِ الٰہی سے جوڑ کر سرخروئی حاصل کرے، بالخصوص ماہِ صیام میں کثرت سے تلاوت کا معمول بنائے، اُسے سیکھنے، سُننے، پڑھنے، سمجھنے کے لئے اپنا وقت فارغ کرے اور عملی زندگی کا لازمی حصہ بنائے۔

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ہر شخص اپنے بارے میں غور کرلے کہ اُسے قرآن پڑھنا آتا ہے یا نہیں؟ تجوید سے پڑھنے پر قادر ہے یا نہیں؟ تلاوت کا معمول ہے یا نہیں؟ مضامین قرآن کو جانتا اور سمجھتا ہے یا نہیں؟ آدابِ قرآن سے واقف ہے یا نہیں؟ احکامِ قرآن پر عمل ہے یا نہیں؟ جس کو جس حصہ میں کمی معلوم ہو اُسے دور کرنے کا پختہ ارادہ کرلے اور رمضان المبارک میں کوشش اور فکر کرکے ان خامیوں کے ازالہ کرے، نیکیوں کے اس موسمِ بہار میں قرآن سے ایسا قوی تعلق ہوجائے کہ سال بھر اس کی تلاوت کے بغیر رہنا مشکل ہوجائے۔

قرآن عزیز کے امت پر بہت حقوق ہیں جن کو علماء نے کتابوں میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے، مثلاً قرآن کو سیکھنا، اس کی تلاوت کرنا، اس کے آیات کے مطالب کو سمجھنا، اس کے احکامات پر عمل کرنا، اُسے دوسروں کے سینوں میں منتقل کرنا وغیرہ، اس مختصر مضمون میں ان اہم حقوق پر تفصیلی گفتگو مقصود نہیں البتہ یہ تذکیر ضرور پیش نظر ہے کہ ماہِ رمضان کے شب وروز قرآن مجید کی تلاوت سے معمور ہوں، بلکہ ہر گھر کے افراد ایک دوسرے کی یاددہانی کراتے رہیں، تلاوتِ قرآن میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا ماحول بنایا جائے، بچے بچے کو معلوم ہوجائے کہ یہ مہینہ قرآن پڑھنے کا ہے، ذرا خالی وقت ملا ہاتھ میں قرآن ہو اور گھر کے بڑے چھوٹے سبھی قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہوں، کم از کم اس ایک حق کی ادائیگی میں تو اس مہینے میں کامیاب ہوجائیں، پھر اس کی برکت سے دوسرے حقوق کی بھی فکر نصیب ہوجائے گی۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن پاک کو باتجوید سیکھنا ہر بالغ مسلمان پر فرض عین ہے، اگر تجوید سے قرآن پڑھنا نہیں سیکھا تو گنہگار رہوگا، اس لئے قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھنا سیکھے اور اس کی تلاوت کا بھی اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل فرمائی اُسی میں آپ کو قرآن پڑھنے کی تلقین کی ''آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے'' (العلق: ۳) دوسری جگہ فرمایا ''جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت فرمایئے'' (العنکبوت: ۴۵) ایک موقعہ پر تلاوت قرآن کا انداز بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ''قرآن پاک کو صاف صاف خوب واضح پڑھیے'' (المزمل: ۴) چناں چہ شب کو نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور دن میں اُمت کے سامنے اس کے مضامین توضیح وتبیین اور تعلیم وتعلم کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وظیفۂ حیات تھا، ہر رمضان میں ایک دور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ فرماتے، وفات کے سال دو دور قرآن مجید کے کئے۔ اور اصحاب کرامؓ کو تلاوتِ قرآن کے فضائل وفوائد بتا بتا کر اُن کی زندگیوں کو بھی قرآن سے معمور فرمادیا، چناں چہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ''قرآن پڑھو اس لئے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا'' (مسلم) قرآن سیکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ''تم میں بہترین وہ شخص ہے

جوقرآن سیکھے اور سیکھائے‘‘۔(بخاری) ایک موقعہ پر یہاں تک فرمایا’’جس شخص کے دل میں کچھ بھی قرآن کا حصہ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے‘‘۔(ترمذی) اپنے گھروں کو طاعات سے خالی رکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا’’اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ،(کہ جہاں اللہ کی یاد والے اعمال ہی نہ ہوں) بلاشبہ شیطان اس گھر سے بہت دور رہتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے‘‘(مسلم) قرآن کریم کی تلاوت کا ثمرہ بیان کرتے ہوئے فرمایا’’جوقرآن کا ایک حرف پڑھے گا اُسے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکی کے برابر ہے(گویا ایک حرف پر دس نیکیاں ملیں گی) میں یہ نہیں کہتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے۔‘‘(ترمذی)(یعنی الم پڑھنے پر تیس نیکیاں ملیں گی) ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا’’نماز میں قرآن پڑھنا غیر نماز میں قرآن پڑھنے سے افضل ہے، اور نماز سے باہر قرآن پڑھنا تسبیح وتکبیر سے افضل ہے، اور تسبیح صدقہ کرنے سے افضل ہے، اور صدقہ کرنا (نفل) روزہ رکھنے سے افضل ہے، اور روزہ رکھنا جہنم سے (حفاظت کی) ڈھال ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح) حفاظِ قرآن اور جنھیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے اُنھیں اس کی حفاظت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا’’اس قرآن کی (تلاوت وقرأت سے) نگرانی کرتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے یہ (تمہارے سینوں سے) نکلنے میں رسی سے بندھے ہوئے اونٹ سے بھی زیادہ تیز ہے۔‘‘(متفق علیہ) (یعنی تلاوت نہیں کروگے تو بہت جلد بھول جاؤگے)۔

یہ چند روایات ہیں ورنہ کتبِ حدیث ایسی بے شمار روایات ہیں جو قرآن سے تعلق قائم کرنے کی ترغیب دے رہی ہیں اور نہ قائم کرنے پر وعیدات سنا رہی ہیں، اہل ایمان واصحابِ فکر وعمل کے لئے تو نبی ﷺ کا ایک ارشادِ گرامی بھی کافی ہے، امت کے قدردانوں نے رمضان اور قرآن کو ایسا جمع کیا کہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے تلازم بالکل عیاں ہوگیا، اہل عمل کے واقعات، قابل تقلید حکایات سے کتابیں پُر ہیں:

چناں چہ ✷امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اکثر رمضان کے ایک مہینہ میں ۶۰ رقرآن ختم کئے۔(تذکرۃ النعمان)

✷ امام شافعیؒ ہر رات ایک قرآن ختم کرتے، اور رمضان میں رات دن دو قرآن ختم کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد)

ماضی قریب کے اکابر میں ✷حضرت شیخ الہندؒ حافظ تو نہیں تھے لیکن رمضان کی رات کا اکثر حصہ اور کبھی پوری رات کئی کئی حفاظ سے قرآن پاک سُننے تھے۔

✷ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا مشغلہ دن رات تلاوتِ کلام اُللہ کا تھا۔ (بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجددُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی کچھ توضیح وتشریح کے ساتھ تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔

ازمرتب

(۵۴) نوافل کا اہتمام اللہ تعالیٰ کی قربت ومحبوبیت کا ذریعہ ہے

ارشاد فرمایا: حدیثِ قدسی میں ہے مایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبّہ (بخاری:6502) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میرا بندہ (فرض ادا کرنے کے بعد) نفل عبادتیں ادا کرکے میرا قرب اس قدر حاصل کرتا چلا جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں"، معلوم ہوا کہ فرائض سے زیادہ کسی چیز سے اللہ کو راضی نہیں کیا جاسکتا، اور فرائض کے بعد جتنا نفل عمل بڑھالو گے، اتنے مقرب ہوجاؤ گے، علماء جو گرامر سمجھتے ہیں وہ مایزال کا مطلب سمجھ سکتے ہیں، بندہ مسلسل بلا انقطاع مقرب بنتا رہتا ہے، ہر گھڑی اللہ کے قریب ہوتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ: یہاں تک کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ محبت کی انتہائی تعبیر ہے۔ بندہ کا اللہ سے قرب نفل اعمال کے ذریعہ بڑھتا رہتا ہے، نفل نماز، نفل روزہ، نفل حج، نفل عمرہ، اور نفل خیرات، وغیرہ ان اعمال سے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پہ فرض نہیں کیا لیکن ہم اس لیے کررہے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، اللہ کو یہ عمل اچھا لگتا ہے، اس لیے نفل عمل کرو، جتنا کروگے اتنا قرب حاصل ہوگا، یہ اگرچہ اپنی اپنی ہمتوں پر ہے مگر کوئی سالک ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کے کھاتے میں نفل عمل نہ ہو، ورنہ ایسی پیری مریدی کا فائدہ کیا ہے؟ کسی شیخ ومرشد کو اپنا سرپرست بنالینے،

ہاتھ میں ہاتھ دینے اور بیعت وتلقین کرنے کا کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے، فائدہ یہی ہے کہ ہم اچھے سے اچھے بن جائیں، اور اللہ کے محبوب ہوجائیں تو محبوب ہونے کا طریقہ یہی ہے، یہ طریقہ کوئی پیر نہیں بتا رہا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں بتا رہے ہیں، اللہ خود فرما رہا ہے، کیوں کہ یہ حدیثِ قدسی ہے؛ اللہ خود فرما رہے ہیں کہ میرا کوئی بندہ فرائض کی پابندی سے زیادہ کسی چیز سے مجھ کو خوش نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرائض کے جب ہم پابند ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک درجہ ہے، آگے ہم جتنا مجاہدہ نوافل میں کریں گے اتنا اللہ پاک کی محبت نصیب ہوگی اس کا قرب بڑھتا چلا جائے گا، اور آگے اللہ نے اس محبت کی جو انتہا بیان فرمائی ہے اس کو تو اپنی حیثیت کو دیکھ کر بیان کرنے کی بھی ہمت ہم نہیں کرسکتے، کہاں ہم گندے بندے، اور کہاں اللہ تعالیٰ کی یہ انتہائی محبت؟ اللہ فرما رہے ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، میں اس کا کان بن جاتا ہوں، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں، حقیقت میں تو نہیں بنتا؛ لیکن یہ محبت کی انتہا کی تعبیر ہے، جیسے فارسی زبان کا مقولہ ہے، ''من تو شدم تو من شدی''، یہ محبت کی تعبیر ہے، کیا کوئی غیر بن جائے گا؟ کوئی غیر نہیں بنے گا، میں تُو نہیں بنے گا، تُو میں نہیں بنے گا، بن ہی نہیں سکتا تو تو ہے، اور میں میں ہوں؛ لیکن محبت کی انتہا میں کہہ رہا ہے کہ ''من تو شدم تو من شدی''، میں تو بن گیا ہوں تو میں بن گیا، اسی کو اللہ فرما رہے ہیں **كنت سمعَه الذي يسمع به و بصرَه الذي يبصر به، و يده التي يبطش بها، و رجله التي يمشي بها** (بخاری: ایضاً) میں تمہارے اعضاء بن جاؤں گا، اب ظاہر ہے کہ کہاں بندہ اور کہاں اللہ کی ذاتِ عالی؟ لیکن یہ ایک تعبیر ہے غایتِ محبت کے اظہار کی۔ اتنی بڑی پیشکش کے بعد بھی اگر کسی کا دل نوافل کی طرف راغب نہیں ہے تو پھر وہ اور کونسی ترغیب سے طریقہ سے نوافل کی طرف راغب ہوسکے گا؟ یہ پیشکش تو ایسی پیشکش ہے کہ سنگ دل بھی موم ہوجائے، یہ پیشکش تو ایسی پیشکش ہے کہ اگر فرض بھی نہیں پڑتا ہے تو فرض پر بھی آجائے، اور نفل پر بھی آجائے، دنیا میں کسی ڈکشنری، کسی تعبیر، کسی محاورہ، اور کسی زبان میں اس سے زیادہ بولنے کو کچھ نہیں ہے؛ بہرحال یہ حدیثِ قدسی ہمارے لیے بہت کافی ہونی چاہیے کہ ہمارے اعمال میں نوافل بھی ہوں، نفل اعمال کے مستقل فضائل بھی ہیں لیکن کوئی فضیلت نہ بھی ہو تو یہی اللہ کا فرمان کافی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث کو سُن لینے کے بعد کوئی سالک ایسا نہیں ہوگا جس کو نوافل پڑھنے میں دشواری ہورہی ہو، یہ تو ایسا پیارا انداز ہے کہ بندہ دیوانہ بن کے عبادت کرے گا، دیوانہ بن کے نفلیں پڑھے گا، نفل روزے رکھے گا، نفل خیرات کرے گا، اور جو جو نفل کی اللہ توفیق دے اپنی حیثیت کے مطابق ضرور کرے گا، بہت پیسہ والا ہے تو نفل حج کرے گا، عمرے کے لیے جائے گا، اور نفل اعمال کرے گا، اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ مجھے محبوب بنالیں گے، ورنہ دکھاوے کے لیے تو کسی عمل سے کچھ نہیں ملتا۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

”خانقاہِ سعیدیہ“ میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ر بجے تا شب ۹ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

وتر کی نماز سے غفلت اور اس کا علاج

سوال (۸۷):۔میری وتر کی نماز بار بار قضا ہو رہی ہے، علاج تجویز فرمائیں۔

جواب:۔کیوں ہو رہی ہے؟ جب عشاء پڑھ ہی رہے ہیں تو اس کے ساتھ وتر کیوں نہیں پڑھ لیتے ؟ عشاء کی نماز کم سے کم 9 رکعتیں ہیں، اور زیادہ سے زیادہ 17، لیکن نفلوں کو چھوڑ بھی دیں تو جب عشاء کی نماز پڑھ ہی رہے ہیں تو وتر کیوں ترک ہو رہی ہے؟ آپ کہیں کہ روٹی تو کھا رہا ہوں لیکن سالن چھوٹ جا رہا ہے، ایسا تو نہیں ہوتا، سالن روٹی ملا کر کھاتے ہیں، اس لئے کہ دونوں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں، ایسے ہی دو سنت اور تین وتر عشاء کی نماز کا حصہ ہے، تو عشاء پڑھ لینا اور وتر چھوڑ دینا، یہ کیا بات ہے؟ اب طے کر لو کہ مجھے ایسا نہیں کرنا ہے؛ کیونکہ جب اللہ نے اس کو لازم کیا ہے تو مجھے کرنا ہی ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: والوتر لا تترکہ فی کل لیلۃ (کنز العمال: ۱۰/۲۸۹) وتر کو کسی رات میں ترک نہ کرنا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت و تاکید کر دی ہے تو ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ اس لیے نبی کی وصیت یاد رکھو، سچے امتی ہونے کا یہی تقاضا ہے۔

دینی بات دوسروں کو بتلانے کا جذبہ

سوال (۸۸):۔مطالعہ کے دوران کوئی اچھی صفت یا اچھا کام نظر سے گزرتا ہے تو دوسروں کو بتانے کی فکر زیادہ رہتی ہے، خود کو بھول جاتا ہوں، کیا میری یہ سوچ صحیح ہے؟ اصلاح فرمائیں۔

جواب:۔ایسا خیال دل میں آنا تو ایک فطری چیز ہے، پڑھنے کے دوران کوئی اچھی بات سمجھ میں آئی، کوئی بات جی کو لگی تو دل میں آتا ہے کہ ساتھی کو بتائیں گے، اگر وہ عالمِ دین ہے تو اس کے دل میں آتا ہے کہ جمعہ کے بیان میں اس بات کا مذاکرہ کریں گے، یا کسی موقع پہ لوگوں کے سامنے اس کو ذکر کریں گے، ایسا خیال آنا کوئی بری بات نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اچھی بات ہے تو دوسروں کو پہنچانا بھی تو اچھا ہی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی قصداً سوچ لو کہ دوسروں کو بتانا ہے ہی خود بھی عمل کرنا ہے؛ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا: کہ ''کوئی ہے جو مجھ سے یہ باتیں سیکھ لے اور ان پر خود عمل کرے، یا دوسرے کو پہنچا دے کہ وہ اس پر عمل کرلے'' تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں ہوں، (خود بھی عمل کروں گا، دوسروں تک بھی پہنچا دوں گا، مجھے بتا دیجیے،) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گن کے پانچ باتیں بتا دیں؛ (ترمذی:2305) لیکن شروع میں جو بات فرمائی تھی اس میں اس کا جواز معلوم ہو گیا کہ اگر خود عمل نہ کرے تو بھی دوسرے کو پہنچانا نہ چھوڑے، پہنچانا ایک عمل ہے، خود عمل کرنا ایک عمل ہے، یہ دو مستقل عمل ہیں۔کوئی بات معلوم ہو جائے تو ہمارے سامنے دو فریضے آجاتے ہیں، ایک فریضہ ہے خود عمل کرنا اور ایک فریضہ ہے عمل کرنے والوں کو بتلانا، تو اگر ایک پہ عمل نہیں ہو رہا ہے تو دوسرا بھی چھوڑ دینا کیا ضروری ہے؟ پہنچاؤ، پہنچانے کا خیال دل میں آئے تو بری بات نہیں؛ مگر نفس کو اسی وقت یاد دلا دو کہ صرف پہنچانا ہی نہیں ہے، عمل بھی کرنا ہے، اور ایسا خیال آنا اخلاص کے خلاف نہیں۔البتہ اس سے خود کوئی فائدہ نہ اُٹھانا یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔

اصلاح کی فکر مستقل نہیں رہتی

سوال(۸۹):۔اپنی اصلاح کی فکر مستقل نہیں رہتی اس کے لیے کیا کروں؟ راہ نمائی فرمائیں۔

جواب:۔آپ کو اپنی اصلاح کی فکر اب تک تو ہے، اس لیے کہ آپ سوال کر رہے ہیں کہ مستقل نہیں رہتی، تو مستقل نہیں رہنے کا جو غم ہے یہ مستقل فکر ہے، معلوم ہوا کہ فکر تو ہے، اب اللہ سے ڈرو کہ کہیں آئندہ وہ بھی نہ رہے، یہ غم کہ میں دین پر نہیں ہوں، یہ غم کہ ابھی مجھ میں بہت سدھار کی ضرورت ہے، اس کا تسلیم ہو جانا اور اس کو قبول کر لینا یہ خود اللہ کی طرف سے تائید ہے، اب اس سے فائدہ اٹھاؤ، یہ فکر جب ختم ہو جائے گا تو اُس کو کہیں گے محرومی، اور جب تک یہ فکر ہے محروم نہیں، کیوں کہ جس کو محروم کرنا ہے اللہ اس کے دل سے احساس نکال دیتا ہے، اس واسطے اس کا شکر ادا کرتے رہو، اور تدبیر جاری رکھو، تدبیر میں کوتاہی نہ ہو؛ اس لیے کہ اللہ پاک نے اس دنیا میں ہمیں تدبیر ہی کا پابند بنایا ہے، کام اللہ ہی کراتے ہیں، ہادی وہی ہیں، ان کے علاوہ کوئی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا؛ لیکن انہوں نے بھی ہدایت پانے کے واسطے تدبیر ہی کا حکم دیا ہے؛ کہ تم تدبیر کرو، ہدایت ہم

دیں گے، کسی معروف کا علم حاصل ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کو درست کرنا، اور اگر نفس اس پر عمل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے تو اپنے شیخ سے مشورہ کرنا، رہبری لینا، اور وہ جو تدبیر بتائیں ان تدبیروں کو روبہ عمل لانا، یہ اسباب ہیں؛ اسباب جاری رکھو، دعا بھی کرتے رہو، بس، ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرمائے گا۔

قرآن کی تلاوت کی پابندی اصل ہے

سوال (۹۰): ۔قرآن کی تلاوت کسی دن ایک پارہ، کسی دن دو پارہ اور کبھی تین پارے ہوتے ہیں؛ لیکن ہر روز پڑھ لیتا ہوں، کیا میرا یہ عمل درست ہے؟ راہ نمائی فرمائیں۔

جواب: ۔الحمدللہ بہت اچھا ہے، جس دن اللہ جتنی ہمت دے اور جس دن جتنا موقع ملے اپنے اختیار اور شوق سے پڑھو، مگر ناغہ نہ ہو، ہم اتنا ہی کہتے ہیں کہ ناغہ نہ ہونا چاہیے، مقدار سالکین کی اپنی ہمت وفرصت پر موقوف ہے۔

گناہوں کا میلان اور طاعات میں سستی کا علاج

سوال (۹۱): ۔آج کل گناہوں کا میلان بڑھتا جا رہا ہے، طاعت میں بھی سستی اور کاہلی بڑھتی جا رہی ہے، کوئی علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: ۔گناہوں کا میلان ہونا تو فطرتِ انسانی ہے، اس کو ختم کرنے کا کوئی نسخہ نہیں ہے، البتہ مقابلہ کرنا اس کا حل ہے، تقاضا تو ہوتا ہے، اگر اللہ تقاضا نہ رکھتا تو تقاضا ہی نہ ہوتا، اور پھر ہم فرشتے ہوتے، انسان ہی نہ ہوتے، ہمارے لیے جنت ہوتی نہ رضائے رب نصیب ہوتی، کچھ بھی نہیں ہوتا، اللہ ہی نے ہماری ایسی سرشت بنا دی؛ جیسے فرشتوں کی اس کے برعکس بنادی: لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ، وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، کیوں نہیں کرتے؟ تو کر ہی نہیں سکتے اس لیے نہیں کرتے، فرشتوں کے برخلاف آپ نافرمانی کر سکتے ہیں پھر بھی نہیں کرتے تو کمال تو آپ کا ہے، اور اللہ آپ سے اسی کمال کو دیکھنا چاہتا ہے، گناہوں کی طرف میلان ہو رہا ہے ہونے دو، بس اس میلان پر عمل نہ ہو، اس کے لئے مجاہدہ ہوگا، دل بہت جھکے گا، بڑی مشقت ہوگی، مشقت کو برداشت کر کے گناہ سے بچ جائیں، ساتھ ساتھ تدبیر بھی اختیار کریں، تدبیر کیا ہے؟ تدبیر یہ ہے کہ اسبابِ معصیت سے دور رہیں، وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، گناہ شہوانی ہو یا نفسانی، مالی ہو یا بدنی، کوئی ہو، دور رہنا ہی حل ہے، ہم دور رہنے اور بچنے کی تدبیر اختیار کر لیں، اللہ تعالیٰ بچانے کا اپنا وعدہ یقیناً پورا کرے گا۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

بلا اور مصیبت کے وقت ختمِ بخاری کرانا

سوال: بلا اور مصیبت کے وقت یا کسی خاص مقصد کے لئے جمع ہو کر بخاری شریف پڑھانا درست ہے؟ کیا یہ بدعت تو نہیں ہے؟

جواب: بخاری شریف، احادیث صحیحہ کا مقبول ترین مجموعہ ہے، اور حدیث کا پڑھنا بذاتِ خود عبادت ہے اور عبادت کی دعاؤں کا قبول، شریعت سے ثابت ہے، اسی وجہ سے ختمِ بخاری شریف کے بعد دعا کرانے میں کوئی حرج نہیں، اسے بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (نخبۃ المسائل، ۱/ ۸۰)

بوقتِ تعزیت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: جب کسی کا انتقال ہو جائے تو تعزیت کرتے وقت میت کے لئے اسی طرح پسماندگان کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا کسی صحابی سے ثابت ہے؟

جواب: تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کا التزام، ثابت نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی بلا التزام، میت کے اہلِ خانہ سے تسلی کے کلمات کہے اور اجتماعی طور پر دعائے مغفرت کرادے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ مگر اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/ ۹۰)

کیا اذان کے وقت دنیوی بات کرنے والا موت کے وقت کلمہ سے محروم ہوگا؟

سوال: کیا ایسی کوئی حدیث ہے کہ جو شخص اذان کے وقت بات چیت کرے تو اس کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوگا؟

جواب: ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں ہے؛ البتہ ایک دوسری روایت اس سے ملتی جلتی ہے کہ جو شخص اذان کے دوران کلام کرتا ہے تو اس کا ایمان سلب ہونے کا خطرہ ہے؛ لیکن یہ روایت بھی سنداً موضوع اور

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ناقابلِ اعتبار ہے، اور فی نفسہ اذان کے دوران گفتگو کرنا شریعت میں منع نہیں ہے؛ البتہ اذان کا جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/ ۱۳۷)

کس رنگ کا عمامہ باندھنا مسنون ہے؟

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس رنگ کا عمامہ باندھتے تھے؟ آپ عمامہ ہمیشہ باندھتے تھے یا کبھی کبھی؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز عمامہ باندھ کر پڑھتے تھے یا نہیں؟

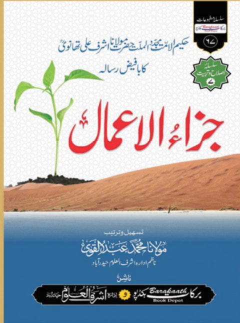
جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیاہ اور زرد رنگ کا عمامہ زیبِ تن فرمانا ثابت ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفید رنگ کے عمامہ کی تحسین فرمائی ہے، اس لیے گم راہ فرقوں سے تشبہ سے بچتے ہوئے شملہ کے ساتھ سفید عمامہ باندھنا بہتر ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر خصوصی مواقع پر عمامہ کا اہتمام فرماتے تھے اور چوں کہ یہ ایک باوقار لباس ہے، اس لیے نماز میں بھی عمامہ سے سر ڈھانکنا پسندیدہ اور مستحب کے درجے میں ہوگا؛ تاہم یہ سننِ زوائد میں سے ہے؛ لہٰذا اگر عمامہ کے بجائے محض ٹوپی پہن کر نماز پڑھی تو اس میں بھی کوئی کراہت نہ ہوگی؛ کیوں کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ٹوپی پہننا ثابت ہے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/۱۴۶)

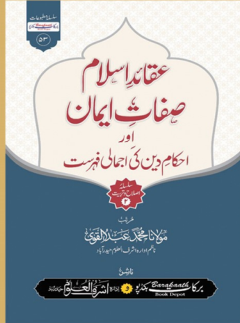
تھوڑی دیر دین کی فکر لے کر بیٹھنے کی فضیلت

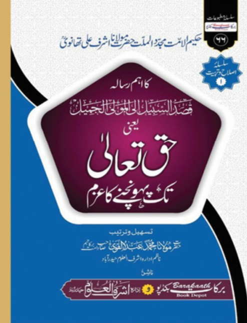
سوال: بہت سے تبلیغی احباب بیانات میں اس حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر دین کی فکر لے کر بیٹھنا ٦٠ سال کی عبادت سے افضل ہے، کیا یہ واقعۃً کوئی حدیث ہے یا کسی کا مقولہ ہے؟

جواب: فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةٍ (یعنی تھوڑی دیر (دین کے بارے میں) فکر کرنا 60 سال کی عبادت سے بہتر ہے) اس طرح کی روایت کو حضرات محدثین نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس روایت کی سند میں کئی ایسے راوی ہیں جن کو واضعینِ حدیث اور کذابین میں شمار کیا گیا ہے، اور مشہور شارحِ حدیث حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے، بلکہ ایک بزرگ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے، لہٰذا اس طرح کی بات کو حدیث کہہ کر بیان کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/۱۶۴)

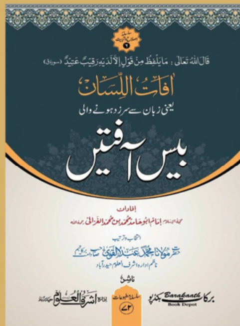
مدیرِ محترم مدظلہ کی چند اصلاحی کتب

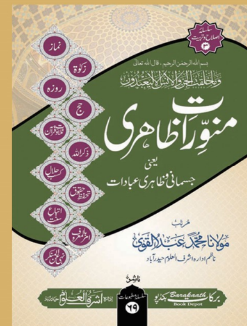


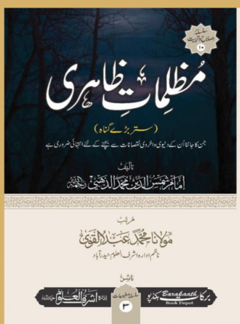


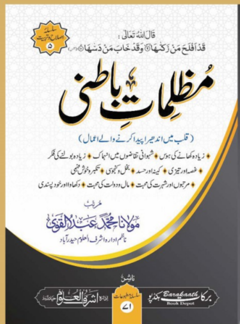


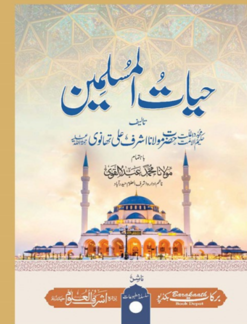












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi